

Classic Urdu Material

اسلام علیکم !!!

ہماری ویب سائٹ پر شائع ہونے والے تمام ناولز اور مواد بمعہ مصنف / مصنف کے نام سے محفوظ ہیں۔
بغیر اجازت کوئی بھی شخص ان تمام ناولز یا مواد سے متعلق مسودہ ویب سائٹ یا مصنف / مصنف کی اجازت کے
بغیر نقل نہیں کر سکتا۔

نقل شدہ مواد پکڑے جانے کی صورت میں متعلقہ فرد / بلاگ / ویب سائٹ کو درپیش آنے والے مسائل کا وہ خود
ذمہ دار ہوگا۔

نوٹ:

ہمیں اپنی ویب سائٹ کلاسیک اردو میٹیریل کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب سائٹ پر اپنا
ناول / ناولٹ / افسانہ / کالم / آرٹیکل / شاعری شائع کروانا چاہتے ہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا
استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

Email Address

bestreadingmaterial@gmail.com

Classicnovels04@gmail.com

Facebook Group: Classic Urdu Material

Facebook Page:

<https://www.facebook.com/ClassicUrduMaterial/>

ان شاء اللہ آپ کی تحریر ایک ہفتہ کے اندر اندر ویب سائٹ پر شائع کر دی جائے گی۔
مزید تفصیلات کے لیے اوپر دیے گئے ای میل ایڈریس پر رابطہ کریں۔

شکریہ

انتظامیہ کلاسیک اردو میٹیریل

ریزہ میری ذات از قلم حرا شاکر

(پارٹ ون)

"مما جی"

"مما جی"

وہ زور زور سے چیخ رہا تھا اور رو رہا تھا۔

"مما اسے کہیں ناں کہ مجھے چھوڑ کے نہ جائے"

میں نہیں رہ سکتا اس کے بغیر اب

اب پکا اسے

تنگ بھی نہیں کروں گا ہاں ہاں

اب پکا وعدہ تنگ

نہیں کرتا" وہ ساتھ ہاتھوں سے نہیں نہیں کے
اشارے بھی کر رہا تھا۔

"میرے بچے حوصلہ کرو کیوں اس طرح
سے میرا دل دہلا رہے ہو۔"

اس کی ماں مسلسل اسے سنبھالنے
کی کوشش کر رہی تھی جو بالکل اپنے
حواسوں میں نہیں تھا۔

"اگک.. کیسے کروں حوصلہ
نہیں ہو رہا آپ روکیں اسے"
وہ اور زور سے چیخا۔

"چندا"

انہوں نے مضبوطی سے اسے کندھوں سے تھاما۔
"وہ ہماری زندگی سے جانے کیلے ہی آئی تھی

اور

وہ چلی گئی اب ہماری زندگیوں میں وہ
کبھی واپس نہیں آئے گی کبھی بھی نہیں۔"

لڑکے نے نفی میں سر ہلایا
اور دھندلی بصارت سے اپنے آنکھ کی رونق کو
خود سے دور آخری نظر دیکھا اور پھر وہ وہیں
اپنی ماں کے قدموں میں ہوش و خرد
سے بیگانہ ہو گیا۔

=====

رات کے ساڑھے گیارہ کا وقت تھا۔ جنوری کی شدید سردی میں ہر ذی روح سردی سے بچاؤ
کیلئے اپنے اپنے ٹھکانوں میں جا گھسی تھی۔
ایسے میں سجاد کانپتا ہوا گھر پہنچا۔ زینہ (اس کی بیوی) نے دروازہ کھولا۔
حسب معمول سجاد آج بھی سنجیدہ تھا۔
"یہ لے دو کلو گوشت اسے پھرتی سے تل کے رکھ
تھوڑی دیر میں میرے کچھ دوست آرہے ہیں۔"
سجاد نے موٹر سائیکل کھڑی کر کے ایک بڑا
شاپر پکڑایا جس میں یقیناً گوشت تھا۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تمہارے فالتو کے چونچلے اٹھاؤں
پہلے سارا دن گدھوں کی طرح کام کروں اور رات کو تمہارے ڈرامے ختم نہیں ہوتے۔"

کچھ خیال کرلو تم یہ کوئی وقت ہے دوستوں کو گھر بلانے کا ایک تو اتنی سردی ہے اور اوپر سے یہ شاپر بھی دو کلو کا کچھ احساس نام کی چیز ہے تم میں یا سب کچھ مر گیا تمہارے اندر۔"

زینہ دبی آواز میں سجاد پر چیخ رہی تھی تاکہ گھر کے باقی افراد نہ جاگ جائیں۔

سجاد نے پوری قوت سے شاپر زمین پر پٹخا

"لے نہ بنا تو کہتی ہے بس سارا کچھ تجھے ہی کھانے کو لے
مر نہیں جائے گی جو اگر تو تھوڑا کام اور کر لے گی میں بھی کام کرتا ہوں میں نے تو تجھے
کبھی احسان نہیں جتایا پر لے درجے کی بیوقوف اور جاہل عورت لکھی تھی میرے نصیب میں۔
پتہ نہیں وہ کونسی منحوس گھڑی تھی جو یہ میرے پلے باندھ دی گئی تھی۔"

سجاد اب فضولیات بک رہا تھا

اور اس کی اونچی آواز سے گھر کے باقی افراد بھی جاگ گئے تھے مگر کوئی اسے مخاطب کرنا پسند نہیں کرتا تھا

سو سارے وہی بیٹھے خاموش تماشائی بنے ان کی باتیں سن رہے تھے اور سجاد کے دونوں
بڑے بچے کمر میں منہ دیئے ڈرے سمے اپنی سسکیاں دبا رہے تھے۔

زینہ نے شاپر اٹھایا اور اپنے آنسو پیتی کچن کا رخ کیا کیونکہ یہ تو روز کا معمول تھا۔
روزانہ سجاد رات کو دیر سے گھر آتا اور اسی طرح کبھی بے جا غصہ کرتا بے جا بچوں کو سولے
سے

اٹھاتا انہیں ڈانٹتا۔۔۔۔۔ وہ کبھی بہت نرم بھی ہو جایا کرتا تھا لیکن یہ شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔
سجاد اور زینہ کا یہ رویہ ان کے بچوں پر بہت خطرناک اثر ڈال رہا تھا۔

=====

سوا سات بجے الارم بجا الارم کی آواز نے اس کی نیند میں خلل ڈالا۔
اس نے چہرے سے رضائی ہٹائی اور بند آنکھوں سے
ہی اپنے سرہانے پڑا موبائل نکالا۔ الارم بجنے کے باوجود اس نے آنکھیں بند ہی رکھیں مگر اٹھنا
ضروری تھا۔ وہ رضائی ہٹا کر اٹھی اور الارم بند کر دیا۔۔
موسم دن بدن سرد ہوتا جا رہا تھا اور کل کی نسبت آج زیادہ دھند تھی۔
"زینی اٹھو سکول کا ٹائم ہو گیا ہے۔ آج پھر تم نے
فجر کی نماز نہیں پڑھی بابا کا فون آ لینے دو۔ پھر تمہاری شکایت کرو گی ان سے۔
اٹھ جاؤ اب جلدی"۔

وہ خود فجر کی نماز اور قرآن پڑھ کے سو جاتی تھی مگر پھر یونیورسٹی جانا ہوتا تھا اس لیے دوبارہ اٹھنا
پڑتا تھا۔ اللہ کے کرم سے سارے گھر والے نماز کے پابند تھے۔ ان کے بابا عباس ملک تہجد

گزار تھے

اور ان پر اللہ کی خاص رحمت تھی کہ وہ مؤذن تھے حالانکہ وہ کوئی مولوی یا مسجد کے امام بھی نہ تھے مگر یہ سب وہ اللہ کی محبت میں کرتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جس طرح

وہ تہجد پڑھتے ہیں گھر کے باقی افراد بھی پڑھیں

اور ان کی بڑی دونوں بیٹیاں پڑھتی بھی تھیں مگر باقاعدگی سے نہیں۔

اور زینب کا یہ حال تھا کہ جس دن عباس ملک نے غصے سے اٹھا دیا تو اٹھ کر پڑھ لی ورنہ اللہ اللہ خیر صلا۔

اب بھی عباس ملک کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے اور زینب کی آج نماز سے چھٹی ہوگئی تھی کیونکہ کسی دوسرے کے کہنے پر اسے کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

"دانی آپ بس کریں اب کیا کندھا توڑیں گی۔ اور یہ رضائی تو چھوڑ دیں پتہ بھی ہے کہ اتنی ٹھنڈ ہے۔" زینب نے ایک آنکھ کھول کر کہا۔

اس نے دوبارہ رضائی لینے کی کوشش کی مگر دانی نے اس کی کوشش ناکام بنا دی اور ایک

رکھ کے تمھڑ اس کی کمر پر مارا۔

"زینی بے شرمی کی بھی حد ہوتی ہے۔ اٹھ جاؤ اس سے پہلے کہ" دانین کی بات منہ میں ہی رہ گئی

اور دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھول کر وہ اندر آیا۔ دانین نے اندر آنے والی شخصیت کو دیکھا اسے دیکھ کر دانین نے اپنی مسکراہٹ دبائی، اپنی رضائی اٹھا کر الماری میں رکھی اور خود یونیورسٹی کے لیے تیار ہونے دوسرے کمرے میں چلی گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اب زینی ضرور اٹھ جائے گی اور وہی ہوا۔

"مما ماجی" زینی نے خود کو ہوا میں محسوس کیا تو فوراً اپنی آنکھیں کھولیں اور چیختے ہوئے صالحہ بیگم کو آوازیں دینے لگی۔

"اتنی بار منع کیا ہے کہ صبح صبح میرے کمرے میں نہ آیا کر۔ جنگلی رتچھ اتلا مجھے نیچے" وہ مسلسل چیخ رہی تھی اور اپنے سے چار سال بڑے شہیر کے کندھوں پر تاڑ تاڑ کے برسانے لگی۔

"چپ کر ریچھ کی رشتے دار تیرا روز کا کام ہے کہ جب تک میں نہ آؤں تو نے اٹھنا ہی نہیں ہوتا"۔ شہیر

نے اسے واش روم میں لا کر کھڑا کیا اور خود جلدی سے باہر نکل کر دروازہ لگا دیا۔
"اب اچھی طرح صاف ہو کر باہر نکلی تین تین دن برش بھی نہیں کرتی"۔ شہیر کہہ کر الماری کی طرف

بڑھا اور اس کا ہینگ کیا یونیفارم باہر نکالا۔

"اولے یہودہ انسان دروازہ کھول ورنہ آج میں نے تیرا سر پھاڑ ہی دینا ہے"
وہ دروازہ پیٹتے ہوئے اسے القابات سے نواز رہی تھی۔

"پہلے باہر تو آپھر سر پھاڑیں۔۔۔ آئی بڑی سر پھاڑنے"

اتنے میں دانیل کمرے میں آئی (زینب اور دانیل کا ایک ہی کمرہ تھا)
"شہیر چلو بہت ہوا اب تم تیار ہو جاؤ میں اسے دیکھ لیتی ہوں۔"

دانیل نے آگے بڑھ کر واش روم کا دروازہ کھولا

زینی جھٹ سے باہر آئی اور غصے سے شہیر کی

طرف لپکی

"گدھے تیری جان ہی نکال دینی میں نے آج"

اس نے اچک کر شہیر کے بالوں کو اپنے ہاتھوں

میں لیا اور انہیں زور سے کھینچنے لگی ارادہ
اس کا شیر کو گنجا کر کے ہی چھوڑنے
کا تھا پر شیر کہاں پیچھے رہنے والا تھا وہ پھر اسے اٹھا کر ہوا میں گھمانے لگ گیا اور ہر
صبح کی طرح دونوں پھر گتھم گتھا ہونے لگے۔

"او خدا کا واسطہ بس کر دیا کرو تم
دونوں۔ زینی تم کچھ اس کے بڑے ہونے کا ہی
لحاظ کر لو اور

شیر تم کچھ خیال کیا کرو وہ تو بچی ہے ساتھ تم بھی بچے بن جاتے ہو۔
بہن بھائی ہو دونوں پر مجال ہے جو کبھی خود سکون کیا ہو اور دوسروں کو کرنے دیا ہو۔
ایسے لڑتے ہو جیسے جدی پشتی دشمن لڑتے ہیں۔"

"دانی اس نکمی کو بتا دیں کہ پورے آٹھ بجے
تک تیار رہے ورنہ یہ گھر پر ہی بستر توڑے۔"

شیر غصے سے کہتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دانی نے ایک نظر زینب کو گھورا

تو وہ بھی خاموشی سے اپنا یونیفارم اٹھائے

دوسرے کمرے میں تیار ہونے چلی گئی۔

میں نے ہی تو اسے کہا تھا کہ اس دنیا سے کہیں دور
چلے جاؤ۔

اور میں نے اسے بری شکل والا بھی تو کہا تھا
پر

اللہ جی سچ م.. مم میں غصے میں تھ.. تھی میں۔۔

میں اس پر غصہ کرتی تھی پر وہ صرف میرا

غصہ ہوتا تھا حقیقت میں ایسا کب

چاہا تھا کاش اللہ جی میں نے ایسا نہ کہا ہوتا "وہ بیٹھی مسلسل اپنی

کمر کو آگے پیچھے ہلا رہی تھی اور اللہ سے

ہم کلام تھی۔

آنسو اس کی آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے۔

"انسان کبھی اپنے الفاظ پر غور نہیں کرتا کسی جسمانی تکلیف یا مار سے روح اتنی گھائل

نہیں ہوتی جتنی لوگوں کے رویوں اور لفظوں سے چھلنی ہوتی ہے

اور پھر جب وہی انسان اپنے ادا کیے لفظوں کا بگھٹان بگھٹا ہے تو سوائے پچھتاوے کے اس

کے پاس

کچھ نہیں ہوتا۔"

=====

دانیل نے ایک نظر زینب کو گھورا
تو وہ بھی خاموشی سے اپنا یونیفارم اٹھائے
دوسرے کمرے میں تیار ہونے چلی گئی۔
وہ تین بہنیں اور انکا ایک بھائی تھا۔ سب سے بڑی تابندہ
جو 21 سال کی تھی۔ وہ بی ایس کیمسٹری کی طلبہ تھی اس کا آخری سمسٹر تھا۔ دوسرے نمبر پر
دانیل تھی جو تابندہ سے دو سال چھوٹی تھی۔ دانیل بھی بی ایس
کیمسٹری کر رہی تھی مگر اس کا دوسرا سمسٹر تھا۔
فرسٹ ایئر میں ٹائیٹائیڈ ہونے کی وجہ سے اس کا
ایک سال ضائع ہو گیا۔ تیسرے نمبر پر شیر تھا جو فرسٹ ایئر میں تھا اور سب سے چھوٹی زینب
تھی۔ شیر زینب سے چار سال بڑا تھا مگر اپنی عمر سے زیادہ دکھتا تھا۔
چھ فٹ قد اور بھرا بھرا جسم۔ دانیل تو اس کے سامنے چھوٹی بچی لگتی تھی۔ وہ شیر سے کم ہی
چھیڑ چھاڑ کرتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی اگر اس نے مذاق
میں بھی شیر کو ہاتھ لگایا وہ اسے ہلا کر رکھ دے
گا مگر ایک زینب تھی جو اس سے پورے پورے

بدلے لیتی تھی اور اپنا حساب برابر کر کے ہی
جان چھوڑتی تھی۔

وہ آج پھر یونیورسٹی بروقت نہ پہنچ پائی۔ اپنے
قدموں کی رفتار تیز کرتے وہ پھولی سانسوں کے ساتھ کلاس میں داخل ہوئی مگر خوش قسمتی
سے

سر اشفاق کلاس میں موجود نہ تھے۔

یہ بھی شاید اس کی دعاؤں کا نتیجہ تھا جو اس نے
اپنے ڈیپارٹمنٹ تک پہنچنے سے پہلے مانگی تھیں۔

اس نے سکون کا سانس لیا اور کسی کو مخاطب کیے
بغیر خاموشی سے آخر میں موجود خالی جگہ

پر بیٹھ گئی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ لیٹ آنے والے

طالب علموں میں شمار کی جاتی تھی بلکہ کبھی

وہ اتنی صبح آجاتی کہ کلاس میں صرف تین چار سٹوڈنٹس ہوتے اور کبھی اتنی لیٹ پہنچتی کہ

آدھا لیکچر گزر چکا ہوتا اور نتیجتاً اسے سر اشفاق

کی بے نقط سننی پڑتی۔

اکثر وہ اسے کلاس میں داخل ہی نہیں ہونے دیتے تھے۔ بجائے اس کے وہ کوئی احتجاج کرتی۔۔

خاموشی سے باہر آدھا گھنٹہ کھڑی رہتی۔ طبیعت

حساس ہونے کے ساتھ وہ بہت ڈرپوک اور جلد

ہی بیوقوف بن جانے والوں میں سے تھی

اعتماد کی کمی تو دور کی بات

اس میں سرے سے اعتماد موجود ہی نہیں تھا اور

ان سب کی وجہ اس کے گھر کا ماحول تھا۔

آج صبح کی ہی تو بات ہے جب وہ فجر کی نماز

پڑھنے اٹھی تو اس کی چھوٹی بہن چارپائی سے نیچے جھکی ہوئی تھی۔

وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی تو دیکھا کومل منہ بھر کے

قے کر رہی تھی۔

وہ جلدی سے اس کی پیٹھ تھپکنے لگی۔

"ملی بچے اور تو نہیں آرہی" کومل سیدھی ہو کر بیٹھی

تو اس نے پوچھا۔

کومل اونچی آواز میں رونے لگی اور "نہ" میں

کردن ہلائی۔

"آپی مجھے پتا نہیں کیا ہو رہا ہے یہ.. یہاں پر" اس نے روتے ہوئے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔

"کیا ہو رہا ہے میرے بچے کو ہاں۔ چلو آؤ میں اپنی گریا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی ہوں پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا درد ہو رہا ہے پیٹ میں۔"

"آپی پتا نہیں کیا ہو رہا ہے اور مجھے ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا وہ اتنے گندے ہیں اتنی بڑی سوئی لگا

دیتے ہیں اس کا سارا پنک واٹر میرے اندر چلے جاتا ہے

اور آپ کو پتا ہے وہ سوئی بازو پر بھی نہیں لگاتے

وہ سب بچوں کے "اس سے پہلے کہ کومل اپنی بات

پوری کرتی اس کی آپی نے اسے چپ کروا دیا۔"

"گریا ایسی باتیں نہیں کرتے تم خاموشی سے ادھر بیٹھو میں ابو جی کو لے کر آتی ہوں پھر ہم

ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں" وہ کومل کا گال چومتے ہوئے ابو کے کمرے کی طرف نکل گئی۔

اپنے ابو کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے اسے ڈر تو بہت لگا مگر سوال کومل کی صحت کا تھا

اس لیے ہمت مجتمع

کر کے اس نے زور سے دروازہ پیٹا۔ اس کی امی نے دروازہ کھولا
قندیل اتنی صبح کیوں دروازہ پیٹ رہی ہے؟ ماں نے فکر مندی سے پوچھا۔
"کرنا کیا ہے باپ کو دو گھڑی سکون سے سونے نہیں
دینا" اس کے ابو کی نیند خراب ہو گئی

"ابو جی ملی کی طبیعت خراب ہے وہ الٹیاں کر رہی

اور اس کے پیٹ میں بھی درد ہے۔ پتا نہیں بیچاری
کتنی تکلیف میں ہے آپ چلیے ناں میرے ساتھ اسے
ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں۔"

اے لڑکی جو تیرے اونٹ جتنے بھائی ہیں انہیں اٹھانا!
سوئے ہوئے باپ کے سر پر کیوں رونا روتے ہو۔ بھائیوں کا بہت خیال ہے تجھے اور باپ جو
سارا دن کام کرتا

تم لوگوں کو کما کے کھلاتا اس کی فکر ہی نہیں۔
ماں تو منحوس ہے ہی اولاد بھی منحوس ملی مجھے
جو دو گھڑی چین نہیں لینے دیتی۔

قندیل نے دکھ سے باپ کو دیکھا تھا مگر کچھ نہ کہہ
سکی کیونکہ اس کا باپ تھا ہی ایسا جس کی نظر میں

نہ بیوی کی اہمیت تھی اور نہ اولاد کی۔ ایسی تذلیل تو روز ہوتی تھی جب تک اس کا باپ گھر ہوتا طعنے تشنوں سے اس کا دل چھلنی کر دیتا۔ بہن بھائیوں میں بڑی ہونے کی وجہ سے اسے زیادہ باتیں سننی پڑتی تھیں۔ قندیل میں تیرے ساتھ چلتی ہوں۔ اماں نے کہا تو قندیل نے بھگی آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔

"اماں میں دانیال یا آفان میں سے کسی کو کہہ دیتی ہوں آپ کہاں میرے ساتھ خوار ہوں گی"

"اے دونوں ماں بیٹی اس کمرے سے باہر جا کر مشورہ کر لو میری نیند برباد نہ کرو۔"

ابو جی نماز کا وقت ہے وہ بھی پڑھ لیتے اب اٹھ تو گئے ہیں قندیل نے ڈرتے ڈرتے کہا "تجھے کیا لگتا ہے میں نماز نہیں پڑھتا مجھے یہ

کہہ رہی کہ تو زیادہ ہی نمازی پرہیزی اور باپ تیرا آوارہ ہے۔"

ابو جی میں یہ تو نہیں کہہ رہی ہوں۔

"سب سمجھتا ہوں مطلب تیرا یہی تھا نماز پڑھنا نہ پڑھنا میرا اور اللہ کا معاملہ ہے تو بیچ میں نہ

بول تو تیرے

لیے بہتر ہے"

اماں کومل کو دیکھنے جا چکی تھیں

اب اس کا یہاں رکے کا کیا جواز تھا وہ بھی خاموشی

سے باہر آگئی اور دروازہ بند کر دیا۔

سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی ہی تھی جب کومل کے رونے

کی آواز آئی وہ بھاگ کر اپنے اور کومل کے مشترکہ

کمرے کی طرف گئی

جہاں کومل پھر سے نیچے جھکی الٹیاں کر رہی تھی اور اونچی آواز میں رو رہی تھی۔

یہ تو شکر تھا ان کا کمرہ چھت پر تھا اور ابو کو نیچے

اس کے رونے کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"ملی گریا میں ابھی دانیال بھائی کو جگاتی ہوں پھر

ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔"

کومل نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا اس سے پہلے کے قندیل ساتھ والے کمرے سے

دانیال کو اٹھانے جاتی

کومل کے اونچا اونچا رونے کی وجہ سے تینوں

بھائی ان کے کمرے میں موجود تھے۔

"کیا ہوا ہے گریٹا کو؟؟؟ تینوں نے ایک ساتھ سوال کیا لیکن پھر اسے الٹیاں کرتے دیکھ کر سارا معاملہ سمجھ گئے۔

"آپی میں موٹر سائیکل نکالتا ہوں آفان تم گریٹا کو اٹھا کر لاؤ۔"

"میں بھی چلتی ہوں ساتھ" قندیل کہنے لگی۔

"نہیں آپی آپ فکر نہ کریں آفان ہے ناں وہ چلا جائے گا" دانیال نے بہن کو دلاسا دیا۔

"نہیں مجھے گندے ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا" کومل نے

جھکا سر اٹھایا اور پھر سے ڈاکٹر کے پاس جانے سے

انکار کرنے لگی۔

"ملی بچے بھائی اس گندے ڈاکٹر سے کہے گا کہ میری گریٹا کو سوئی بالکل نہ لگائیں ٹھیک

ہے۔" قندیل نے پیار سے پچھارتے ہوئے کہا

"اور میرا بے بی ڈاکٹر پاس نہیں جائے گا تو اس کی

طبیعت اور خراب ہو جائے گی ناں" آفان بھی اسے راضی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اوکے پھر مجھے جلدی سے اٹھائیں میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے" آفان نے فوراً اسے

اٹھایا اور اپنے ساتھ

لگا کر اس کے آنسو صاف کیے ۔

"شش میرا بے بی بہت بریو ہے ناں تو پھر آج کیوں رو

رہا ہے "آفان اسے باتوں میں لگا کر نیچے لے آیا

کیونکہ آج آپ کے بے بی کے پیٹ میں پتا نہیں کیا ہو رہا ہے کومل نے ہچکیوں کے درمیان

جواب دیا

آفان یہ شاہر لے لو اگر ملی کو پھر الٹی آئی تو اس میں کر لے گی قندیل نے ایک بڑا شاہر

اسے پکڑایا اور وہ کومل کو لے کر ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔

"قندیل جا تو نماز پڑھ لے میں بچی کے لیے کوئی نرم غذا

بنالوں اللہ جانے کس بدبخت کی نظر لگی ہے جو آئے دن الٹیاں شروع ہو جاتی ہیں اور ایک

باپ ہے جسے اولاد کی کوئی فکر ہی نہیں ہے "اماں بولتی ہوئی چلی گئی اور وہ اپنے کمرے

میں آگئی۔ نماز پڑھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنسو ٹپ ٹپ اس کی ہتھیلیوں کو بھگونے

گئے۔

"اللہ تعالیٰ میری گریا کو شفا دے دیں میں جانتی ہوں

جب تک آپ نہیں چاہیں گے تب تک وہ صحت یاب نہیں ہوگی پر اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کی

تکلیف دیکھی نہیں جاتی جب وہ مجھے کہتی ہے ناں آپ مجھے پتا نہیں کیا

ہو رہا ہے تو مجھ سے اپنے آنسوؤں پر بندھ باندھنا

مشکل ہو جاتا ہے یا اللہ مجھ میں اتنا حوصلہ پیدا کر
دے کہ میں اپنی گڑیا اور اپنے بھائیوں کا حوصلہ
اور ان کی ہمت بن سکوں اور اللہ تعالیٰ ہمارے ابو کے دل میں ہماری محبت ڈال دیں ناں یہ
کیسے ابو ہیں جو اولاد

کو کمانے کا احسان جتا رہے ہیں

کیا سب کے باپ اپنی اولاد کے لئے نہیں کھاتے اور کیا سب کے باپ اپنی اولاد کی تکلیف
سے زیادہ اپنی نیند اور سکون

کو ترجیح دیتے ہیں اللہ تعالیٰ میرے ابو کو راہ راست پر لیں آئیں چاہے وہ ہم سے محبت نہ بھی
کریں پر اولاد کی فکر ہی کر لیں اور ہم ایسی زندگی گزاریں جو طعنوں سے پاک ہو۔"
وہ مسلسل روتے ہوئے اللہ سے دعا مانگنے میں مصروف تھی۔ آنکھیں رو رو کر خشک ہو گئی
تھیں۔

دعا مانگ کر اس نے جائے نماز اٹھایا اور گھڑی پر ٹائم دیکھا صبح کے سات بج رہے تھے۔
"اللہ جانے اتنی دیر کیوں ہو گئی بچے ابھی تک نہیں آئے" اماں فکر مندی سے کہتے ہوئے
کمرے میں آئیں

"اور ارحم کدھر ہے مجھے تو کہیں نظر نہیں آیا گڑیا کی ٹینشن ہی اتنی تھی۔

بے غیرت ماں کو بتائے بغیر بھائیوں کے پیچھے چلا گیا وہ تو جب اس کی سائیکل ڈیوڑی میں
نہیں کھڑی تھی تب مجھے معلوم ہوا اتنا خیال نہیں کہ ماں کو بھی ضرورت ہوگی۔ کوئی چیز
منگوانی پڑ جاتی مگر ماں کا تو کسی کو خیال ہی نہیں"

اماں سخت غصے سے بول رہی تھیں

"اماں آپ ایسا کیوں کہتی ہیں آپ کا خیال کیوں نہیں ہے میں ہوں ناں آپ کے پاس اگر
کسی چیز کی ضرورت پڑی تو میں لے آؤں گی"

اس نے نرمی سے کہا تھا

اور آپ فکر نہ کریں آجائیں گے وہ لوگ بھی۔

اماں نے فخر سے اپنی بیٹی کو دیکھا جو باپ کی اتنی باتیں چپ چاپ سہ جاتی اور کبھی غلطی
سے بھی زبان درازی نہیں کرتی تھی اور بہن بھائیوں کا ماں سے بھی زیادہ دھیان رکھتی
تھی۔ وہ اماں کا تو وہ کوئی حکم ٹالتی ہی نہیں تھی اماں نے بے اختیار اس کی پیشانی پر بوسہ دیا
تھا۔

"اچھا چلو میں تم لوگوں کے

ناشتے کا انتظام کر لوں"

اماں مسکراتے ہوئے چلی گئیں۔

کچھ گھنٹے بعد وہ کومل کو لیکر گھر واپس آئے۔ سردی کی وجہ سے کومل کو اوپر کمرے میں ہی لے گئے اب وہ بہتر لگ رہی تھی۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" دانیال نے آنکھوں سے ہی قندیل کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے بس زیادہ سے زیادہ کھلائیں پلائیں تاکہ ہمارا بے بی موٹا ہو جائے" آفان نے کومل کے گال کھینچتے ہوئے کہا۔

"ہاں پھر یہ گریا نہیں بھالو بن جائے گی وہ بھی موٹے والا"

قندیل یہ کہہ کر ہنس پڑی

"چلو جاؤ تم سب ناشتہ کرو قندیل بھائیوں کو ناشتہ دے میں اپنی بیٹی کو کسٹرڈ کھلاتی ہوں۔"

اماں نے کسٹرڈ کاپیالا کمرے میں میز پر رکھتے ہوئے کہا

وہ سب نیچے آگئے اور خاموشی سے لاؤنچ میں بیٹھ گئے اس خاموشی کو دانیال نے توڑا

"آپی آج ہم جس ڈاکٹر کے پاس گریا کو لے کر گئے تھے وہ معدے اور جگر کا سپیشلسٹ

ہے۔ کافی اچھا ڈاکٹر ہے اسنے کہا ہے کہ گریا کے معدے کے اوپر سوزش ہے اور اس کا

جگر صحیح سے کام نہیں کر رہا اس وجہ سے خون کی کمی ہے

دانیال نے بھگیے لہجے میں بتایا

اور اگر صحیح علاج اور مناسب غذا نہ ملی تو زیادہ مسئلہ ہو سکتا ہے
"آپی گریا ٹھیک ہو جائے گی ناں؟"

ارحم روتے ہوئے اس کے پاس آیا اس نے باقی دونوں کو بھی اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔
"میرے پیارے شہزادو! گریا کو کچھ نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی اور اللہ تو خود
کہتا ہے ناں کہ وہ کسی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ نہیں آزماتا تو بس پھر اس ذات پر
بھروسہ

رکھو اور ہر نماز میں گریا کیلئے دعا کرو۔"
وہ پرسکون لہجے میں اپنے بھائیوں کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

"کیا ڈرامے بازیاں چل رہی ہیں یہاں؟"
وہ چاروں سر جوڑے ہلکی آواز میں باتیں کر رہے تھے جب اپنے باپ کی سرد آواز پر کرنٹ کھا کر
سیدھے ہوئے۔

"نن ناں کچھ بھی نہیں ابوجی آپ کے لئے ناشتہ لاؤں؟" قندیل نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔
نہیں رہو مصروف اپنی ڈرامے بازوں میں اور ماں کدھر ہے تیری وہ غصے سے بوٹے صوفے پر
بیٹھ گئے۔ "گریا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو امی اس کے پاس بیٹھی ہیں۔"

جواب آفان کی طرف سے آیا تھا۔

تینوں باپ کے سامنے مودب بنے کھڑے تھے کیونکہ کوئی بھی اپنے باپ سے پرتکلف ہو کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے اجازت جو نہیں دی تھی ان کے باپ نے۔
"ایک تو تم لوگوں کی گریڈ ڈھیلی ہی رہتی ہے ہر وقت۔ اپنے اسکول کالج جانے کی تیاری کرو میں دیکھ کر آتا ہوں اسے۔"

ابو جی میں سوچ رہی ہوں کے آج چھٹی کرلوں گریڈ کی طبیعت۔۔۔ مگر اس کے باپ نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ دی

"چپ چاپ پڑھنے جاؤ کوئی چھٹی نہیں کرے گا گریڈ کی طبیعت روز خراب ہوگی تو تیرا دل روزانہ چھٹی کرنے کو کرے گا پیسے درختوں پر نہیں لگتے اتنی مہنگی فیسیں جمع کروائی ہیں اور تجھے چھٹیوں سے فرصت نہیں۔"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں یہ کیسی فکر تھی جس میں طعنوں کا ہونا ضروری تھا احسان جتنا بے بغیر تو وہ رہ ہی نہیں سکتے تھے چاروں میں سے کوئی بھی باپ کے خلاف نہیں جاتا تھا اس لئے سب خاموشی سے تیار ہوئے اور اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

"قندیل جٹ۔"

"Who is she"?

اپنا نام مسلسل پکارے جانے پر وہ اپنی سوچوں سے باہر نکلی اور بدحواسی میں کھڑی ہو گئی۔
ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو اسے یاد آیا کہ وہ کلاس میں بیٹھی ہے۔ سامنے دیکھا تو سر خالد سوالیہ
نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"غالباً رول نمبر 15 آپ کا ہی ہے؟" سر خالد گویا ہوئے

"جی جی سر" وہ ہکلاتے ہوئے بولی

"تو جب میں اتنی دیر سے آپ کا رول نمبر بول رہا تھا آپ کن سوچوں میں گم تھیں؟" سر تیز
آواز میں بولے

"مجھے پپ پتہ نہیں چلا سر"

"I am sorry sir"

وہ بہت سہم گئی تھی۔

"Sit down next time be careful"

وہ خاموشی سے واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی وہ اپنی سوچوں میں اتنی لگن تھی کہ دوسرا لیکچر بھی
ختم ہو گیا اور اسے پتہ ہی نہ چلا۔ سر خالد انگلش کے تھے اور اٹینڈنس لیکچر ختم ہونے سے کچھ
وقت پہلے لیتے تھے۔

Ok class I have to go now. Will meet you tomorrow.

Allah Hafiz.

سر الوداعیہ کلمات ادا کرتے کلاس سے چلے گئے۔

"یار قندیل شکل سے کتنی معصوم لگتی ہے نا!"

یہ سنہری الفاظ ادا کرنے والی کوئی اور نہیں دانیل ملک تھی جو قندیل کو دیکھتے ہوئے ہلکی آواز میں اپنے ساتھ بیٹھی اپنی جگری دوست اباسہ سے پوچھ رہی تھی اور پھر دوست کہاں پیچھے رہنے والی تھی.....

"یار معصوم تو ہے ہی پر پاگل بھی لگتی ہے"

اباسہ چوہدری نے اپنے نادر خیالات کا اظہار کیا
"پاگل نہیں یار بیوقوف ہے" دانیل نے اصلاح کرتے ہوئے کہا "پر یار تیرے جیسی کمینہ نہیں لگتی" اباسہ نے قندیل پر تبصرہ کرتے ہوئے دانیل کو چھیڑنا اپنا فرض سمجھا۔
دانیل نے اباسہ کو ایک کمر پر جھڑ دیا۔"

"کہاں ہے وہ

آپ لوگ ڈھونڈ کے نہیں لائے اسے

مجھے پتہ تھا آپ لوگ اسے ڈھونڈ ہی نہیں
سکتے میں ہی اب اسے تلاش کروں
گا" اس نے ایک غصیلی نظر اپنے گھر کے افراد پر
ڈالی اور ایکدم غصے سے اس کی طرف
بڑھا

جو اپنی ماں کے قریب کھڑی ڈری سہمی
ہچکیوں سے رو رہی
تھی۔

"تم - تم لے کر گئی تھی ناں اسے اپنے ساتھ بتاؤ؟ کہاں ہے وہ؟ بولو
تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہے اب وہ؟
اس نے تقریباً "جھنجھوڑتے ہوئے اس سے پوچھا
"مم میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے او اور پپ پلینز
مم میرا بازو چھوڑ دو"

وہ روتے ہوئے اپنے نازک ہاتھوں سے اپنا بازو
چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی جو قریب کھڑی
اس کی ماں بھی چھڑوانے میں ناکام ہو رہی تھی۔

"کیوں نہیں جانتی تم سچ سچ بتاؤ نہ کہ وہ کہاں ہے؟"

اب کی دفعہ اس کا لہجہ زرا نمی لے ہوئے تھا۔

"مم میں سس سچ بب بول رہی ہوں مم میں نن نہیں جج جانتی۔"

اس نے رونے کے درمیان بمشکل اپنی بات پوری کی۔

گھر کے افراد بھی دکھ سے اس کی

طرف دیکھ رہے تھے مگر کسی نے بھی

اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

شاید سب اس کی تکلیف محسوس کر سکتے تھے۔

"بکو اس بند کرو۔ تم اسے لیکر ہی

کیوں گئی اپنے ساتھ؟"

اس نے چیختے ہوئے جھٹکے سے

اس کا بازو چھوڑا۔

وہ گرتے گرتے بچی اگر بروقت اس کی ماں نہ اسے سنبھالتی۔

"آج بڑی محبت جاگ رہی ہے اس کیلئے۔"

پہلے تو

اس کی زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی۔"

اس نے نم لہجے میں

بھرپور طنز کیا۔

"میں تو ہمیشہ سے اس سے بہت

محبت کرتا تھا

اور تم یہ کیوں کہہ رہی ہو کہ میں نے

اس کی زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی"۔ اس نے دکھ سے اس سے پوچھا۔

کیونکہ یہی سچ ہے۔ وہ پھر سے رونے میں مصروف ہو گئی۔

اتنے میں گیٹ پر کھٹکا ہوا اور ان کا کوئی جاننے والا اندر آیا۔

آنے والے نے جو خبر سنائی تو وہاں موجود سبھی

افراد کا دل ساکت ہو گیا۔

اس سے پہلے کے دانیں بھی جوابی کارروائی کرتی

قنیل کی آواز نے دونوں کو اپنی

طرف متوجہ کیا۔

وہ دونوں گھسیا گئیں کہ شاید قنیل نے ان کی

باتیں سن لیں کیونکہ وہ ساتھ ہی
تو بیٹھی تھیں۔

درمیان میں ایک کرسی کا فاصلہ تھا جس پر اباسہ کا "بے بی" مطلب بیگ پڑا ہوا تھا
وہ باتیں تو بالکل ہلکی آواز میں کر رہی تھیں۔۔

شاید قندیل کے کان لمبے ہوں اور اس نے ان کی
اپنے متعلق باتیں سن لیں

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر سوچا۔
جی قندیل کوئی کام تھا؟ دانیل نے ہمت کرتے ہوئے
پوچھ ہی لیا۔

"جی مجھے پوچھنا تھا کہ سر خالد نے کیا
کام دیا ہے؟"

قندیل نے جھجکتے ہوئے ان سے کہا۔
دونوں اسی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

اس کی بات پر دونوں کا اعتماد بحال ہوا۔

"کل انگلش کی پریزنٹیشن ہے اور ٹاپک parts of speech میں سے ہیں دانی یار میرا
رجسٹر تو واپس کرو ناں جو تم نے لیکچر نوٹ کرنے کیلئے

مجھ سے مانگا تھا۔"

اس نے دانیں سے پہلے ہی جھٹ سے رجسٹر اٹھالیا۔

"ارے۔۔۔ یہ تو۔۔"

"ہاں نہ یہی تو میرا رجسٹر ہے اتنی جدوجہد کرنے کے بعد میں نے یہ لیکچر نوٹ کیا تھا"

اباسہ نے کہتے ہوئے آنکھیں

مٹائیں اور قندیل کی طرف اپنا رخ کیا کیونکہ وہ مزید دانی کی گھوریاں نہیں سہہ سکتی تھی۔

بڑی چالاک سے اس نے دانیں کا رجسٹر لے کر قندیل کو پکڑا دیا کیونکہ دانیں ہر لیکچر نوٹ کرتی

تھی مگر اباسہ صاحبہ کا خیال تھا اس ٹھنڈ میں لیکچر سن لیں یہی بڑی بات ہے وہ دانیں سے

ہر لیکچر لیکر موبائل میں پکس بنا لیتی۔

"بہت شکریہ آپ کا" یہ کہہ کر قندیل نے رجسٹر واپس کر دیا۔

اباسہ جس طرح کی آپ کی نیچر ہے آپ کسی سے

اتنی بات کرنا پسند نہیں کرتیں

مگر مجھے ڈیٹیل میں topic بتا دیا اور آپ مجھے بہت sensible بھی لگتی ہیں۔

سنجیدہ اور پڑھا کو ٹائپ۔

قندیل نے کنفیوز ہوتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

اباسہ پہلے آنکھیں پھاڑے قندیل کو دیکھتی رہی

پھر ایک دم اٹھ کر قندیل کو گلے لگا لیا۔

قندیل اس افتاد پر بوکھلا گئی "

"کیا بات کہہ دی تم نے۔ میری تعریف کر دی سچ

میں میرا دل ہی جیت لیا۔ کتنے خوبصورت انداز میں

تم نے دشمنوں کو جلایا ہے"

اباسہ شرارتی نظروں اپنی دشمن (بقول اس کے) دانیں کو دیکھتے ہوئے میٹھے لہجے میں قندیل سے بولی۔

"تمہیں پتا ہے یہ دانیں روز مجھ سے میرا رجسٹر لیکر

لیکچر کی پکس بناتی ہے مگر مجال ہے جو کبھی

اس نے مجھے شکریہ بولا ہوا لٹا مجھ سے کھانے

کی چیزیں بھڑتی ہے"

اباسہ مکمل غم کی تصویر بنے قندیل کو بتا رہی

تھی۔ اس سے پہلے کہ اباسہ اپنی شان میں

مزید قصیدے پڑھتی دانیں نے اسے چپ کروا دیا۔

اباسہ اب بس کرو واپس آ جاؤ اپنی جگہ پر - یہ نہ ہو کہ میں تمہاری سبھی کرتوتوں کی آگاہی

قندیل کو فراہم کر دوں۔ اپنی اوقات میں واپس آ جاؤ تمہارا اتنا میٹھا

لجہ مجھ سے ہضم نہیں ہو رہا۔"

دانیل نے اس کے پاس کھڑے ہو کر ہلکی آواز میں دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے تو یہ بات ہے تم قندیل کو بھی کہہ سکتی ہو۔ میرے کان میں گھسنے کی کیا

ضرورت ہے"

اباسہ نے ایک سخت گھوری دانیل پر ڈالی اور چہرے پر مسکراہٹ لائے قندیل کو دیکھا جو کبھی اباسہ کو

دیکھ رہی تھی اور کبھی دانیل کو۔

"وہ اصل میں دانیل نے میرے ننھے کان میں اپنی بھیانک آواز میں یہ کہا ہے کہ تم شکل سے بہت معصوم لگتی ہو اور وہ چاہتی کہ ہم آپس میں

دوستی کر

لیں اور تمہیں میرا شکریہ ادا کرنے کی بھی

ضرورت نہیں ہے وہ تو میرا فرض تھا"

میں نے ٹھیک کہا ناں دانی۔ اباسہ نے شیطانی مسکراہٹ

لے ایک نظر دانین کو دیکھا جو بمشکل
ضبط کیے کھڑی تھی۔

"ہاں بالکل (کمینی) اباسہ۔ دانین نے جبراً مسکراتے
ہوئے کہا لیکن کمینی تو اس نے دل میں ہی کہا
تھا۔

قندیل نے مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھا جنہیں یونی
کے سٹارٹ سے ہی اس نے اکٹھے دیکھا ایک سال ہونے
والا تھا اور ان دونوں کو قندیل

نے ہمیشہ سب سے آخری قطار میں بیٹھے دیکھا۔
قندیل کو ان کی دوستی اچھی لگی تھی مگر اس نے غور کیا تھا کہ اباسہ موڈی لڑکی ہے لیکن
دانین

ایسی نہیں تھی قندیل خود بھی کلاس میں
لڑکیوں سے کم ہی بات کرتی تھی۔

"اباسہ میرے ساتھ لائبریری تک چلنا ذرا کچھ کام ہے"
اور اباسہ جانتی تھی کہ دانین کو کوئی
کام نہیں بس اس نے اباسہ کی "چھتروں" کرنی ہے۔

"چلیں گے دانی کل چلیں گے دیکھو قندیل کے ساتھ
بیٹھ کر باتیں کرنے میں کتنا مزا آ رہا ہے۔"
اباسہ نے خود کو بچانے کی کوشش کی۔
نہیں یار آج جانا ضروری ہے چلو اٹھو
جلدی کرو۔"

دانی زبردستی اسے اٹھانے لگی اور
پھر اباسہ نے اپنا بیگ اٹھایا اور نقلی
مسکراہٹ چہرے پر سجائے قندیل کو دیکھا
جو اسے ہی دیکھ
رہی تھی۔
اباسہ دل میں بھاگنے کے منصوبے بنانے لگی۔

=====

"دانی میری بچپن کی پیاری دوست ہم
تو لائبریری جانے والے تھے تو اب ہم کدھر
جا رہے ہیں اور یہ میرا ہاتھ تو چھوڑ دو میں بھاگی
تھوڑی نہ جا رہی ہوں"

اباسہ نے اپنا ڈر چھپاتے نارمل انداز میں کہا کیونکہ لائبریری کا راستہ تو کوئی اور تھا۔
"یہ تو اچھے سے جانتی ہے کہ ہم کس لائبریری میں
جارہے ہیں اور تو میری بچپن کی پیاری
دوست ہے اس لیے میں نے تیرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے
کیونکہ عین موقع پر بھاگنے کی تیری پرانی عادت ہے۔" دانیل نے مسکراتے ہوئے اباسہ کو
ڈرایا

اور اس کے بھاگنے پر جملہ کسا۔
"ایسی مکار عورت ہے جانتی تھی کہ میں بھاگ
جاؤں گی اسی لیے اتنی عوام کے بیچ میں سے راستہ
بنا کر جا رہی ہے۔"
اباسہ برا سا منہ بنائے اس کے ساتھ چل رہی تھی
کیونکہ اتنے سٹوڈنٹس کے سامنے وہ بھاگ نہیں سکتی
تھی۔

دانیل اسے ڈیپارٹمنٹ کی پچھلی سائیڈ پر لے آئی جہاں سٹوڈنٹس نہیں آتے تھے وہ صرف ایک
کھلی جگہ تھی اباسہ نے موقع دیکھتے ہی زور سے اپنا ہاتھ چھڑوا یا اور دوسری طرف بھاگ گئی۔
"اباسہ رک جا ورنہ تو جانتی ہے کہ میرا نشانہ کبھی

چونکتا نہیں ہے اور دور سے زیادہ زور سے گے گی خود

ہی رک جا" داین د بھی اس کے پیچھے بھاگی

اس نے جلدی سے اپنے دونوں جوتے اتارے اور ایک کے

بعد دوسرا جوتا ابا سے کومارا

جو عین نشانے پر لگا۔

"ہائے اللہ میری گردن" ... پہلے جوتے کا درد بھولا نہیں کے اگلے ہی محے دوسرا جوتا اسکی کمر

پر لگا

"ہائے میں مر گئی ... اللہ میری کمر" زور سے دو جوتے

کھانے کے بعد ابا سے درد سے دوہری ہوتی

نیچے بیٹھ گئی۔

"آہاں مزہ آگیا ... تجھے اس حالت میں دیکھ کر

چین آگیا ... قرار آگیا۔"

داین شاعرانہ انداز اپناتے اس کے پاس آئی۔

"کمینی عورت تیرا میں نے وہ حشر کرنا ہے کہ تم یاد

رکھو گی ظالم کہیں کی۔"

ابا سے زمین پر بیٹھی اسے گھور رہی تھی

"چہ چہ پہلے اٹھ تو جاؤ پھر میرا حشر برا کرنا اور تمہیں کہا بھی تھا کہ نا بھاگو زیادہ زور سے گے گی پر وہ اباسہ ہی کہاں جو کسی کی بات مان لے تو معجزہ ہی ہو جائے۔"

دانیل نے اپنے جوتے پہنتے ہوئے اباسہ کو مزید جلایا۔

"چربیل تو مجھے آج بس یہ بتادے کہ تو جوتے

کہاں سے خریدتی ہے؟ جو عین نشانے

پر لگتے ہیں جب بھی تیرے جوتے کی مار کھائی ہے

پہلے سے زیادہ ہی تکلیف ہوتی ہے"

اباسہ نے دکھی ہوتے ہوئے دانیل سے کہا۔

"اصل میں میری جان یہ "لکا" کر لگنے والے جوتے میں کسی اور دنیا سے خرید کر نہیں لاتی یہ تو

بس میرے مارنے کا کمال ہے۔۔

جتنا بڑا تم کا رنامہ سر انجام دو گی اتنی زور

سے گے گا۔۔ یہ ایک جوتا میری کٹ کیٹ چاکلیٹ نا

لانے کا اور ایک جوتا قندیل کے سامنے فضول

بکنے کا" دانیل نے ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا۔

"مکار عورت دیکھنا تیری بھی میں کیسے چھتروں سے چھتروں کرتی ہوں"

وہ کپڑے جھاڑتی کھڑی ہوئی پر جب نظر اپنے بیگ

پر گئی جو لاوارثوں کی طرح زمین پر گرا ہوا تھا اباسہ کا پارہ چڑھ گیا کیونکہ بیگ اس کے لئے
بیگ

نہیں "بے بی" تھا جس کو وہ بالکل بھی گندا نہیں ہونے دیتی اور نہ ہی کسی کو ہاتھ لگانے
دیتی تھی

اس پر پیارے پیارے اسٹیکرز اور چھوٹے بھالو لٹکائے ہوئے تھے اس سے پہلے کہ وہ دانیں
کی گردن دبوچتی اپنے دو سینئرز کو وہاں کھڑے دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"مس اباسہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے"

ان میں سے ایک لڑکا بولا

دانیں چونکہ نقاب میں تھی اس لیے وہ لڑکے اس

کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔۔

وہ بے چینی سے آئی۔ سی۔ یو کے کمرے کے باہر ٹھہر

رہا تھا دل اندر لیٹے وجود کے لیے دعاگو

تھا آنکھیں رونے کے باعث سرخ ہو چکی تھیں۔

اتنے میں ڈاکٹر کمرے سے باہر آیا
ریاض صاحب بھاگ کر اس کی طرف لپکے۔
"ڈاکٹر صاحب کیسی ہے میری بچی"
"دیکھیے پیشنٹ کی طبیعت بہت نازک ہے گردن پے
گہرا کٹ لگنے کی وجہ سے اس کا خون بھی کافی ضائع ہو گیا ہے ہمیں فوراً بچی کا آپریڈ کرنا ہے
جس کے لیے آپ کو تین لاکھ جمع کروانا ہوگا اور
بلڈ بینک سے خون کا انتظام ہو جائے گا اس کی فکر مت کریں آپ جلدی سے پیسے جمع
کروائیں تاکہ ہم آپریشن شروع کریں۔"
"ڈاکٹر آپ پیسوں کی فکر نہ کریں آپ بس میری بچی کو بچالیں"
ریاض صاحب نے روتے ہوئے ڈاکٹر سے التجا کی۔
"دیکھیں ہم اپنی پوری کوشش کریں گے باقی سب اللہ بہتر کرے گا۔"
ڈاکٹر اپنے پیشہ ورانہ انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ ریاض صاحب غم زدہ چہرہ لیے موبائل
پر گھر کا
نمبر ملانے لگے تاکہ پیسوں کا انتظام کیا جاسکے۔
لیکن ایک وہ تھا جو ڈاکٹر کی باتوں کے بعد سے اب تک ساکت کھڑا تھا آنکھیں خشک اور نظریں
ایک ہی

نقطے پر مرکوز تھیں کتنے ہی محلے بیت گئے۔

آپریشن شروع ہوئے بھی ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا مگر

اس کی حالات جوں کی توں تھی ریاض صاحب کا دل شدت غم سے پھٹ رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ اپنے تختِ جگر کی طرف بڑھتے اسرپچر کی آواز نے دونوں کو متوجہ کیا دونوں بے تابانہ اسرپچر کی طرف بڑھے۔

"جی فرمائیے مسٹر" اباسہ نے زمین سے بیگ جھاڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔۔

"وہ دراصل میرا دوست فرقان آپ سے دوستی کرنا

چاہتا ہے" دوسرے لڑکے نے مداخلت کی۔

"ہاں تو کیا ان کے منہ میں زبان نہیں ہے"

اباسہ نے تنے چتوڑوں سے پوچھا۔

"دیکھیں جس کو دوستی کرنی میرے ساتھ وہ

بات کرے تاکہ میں اسے ہی اچھی طرح جواب دوں۔

اس دوران دانیل ان سے ذرا فاصلے پر خاموش

کھڑی باتیں سن رہی تھی۔

جی مجھے ہی آپ سے دوستی کرنی ہے۔ وہی لڑکا بولا

جو یقیناً فرقان تھا۔

"اچھا تو مجھے آپ سے دوستی کرنے سے کیا

فائدہ ہوگا"

فرقان نے عجیب نظروں سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو بلیک ٹراؤزرز اور بلیو کلر کے کرتے پر لمبا بلیک کوٹ پہنے گرین دوپٹے کا حجاب کیے اسے گھور رہی تھی۔

"فائدہ تو آپ کو ہوگا اگر پڑھائی میں کوئی مسئلہ

ہو یا کسی نوٹس کی ضرورت ہو تو میں آپ کی

ہر طرح کی مدد کر سکتا ہوں اور ویلے بھی لڑکا لڑکی دوست بن ہی سکتے ہیں۔"

فرقان نے اپنی طرف سے اسے مطمئن کیا۔

"خیر پہلی بات تو یہ کہ مجھے کسی بھی لڑکے سے

دوستی میں بالکل دلچسپی نہیں اور آپ سے دوستی

کا تو مجھے رتی برابر فائدہ نہیں کیوں کہ

جہاں تک سوال پڑھائی کا ہے تو میری دوست بھی بہت کوشش کرتی کہ میں دل لگا

کر پڑھائی کروں

اور ٹاپ کر سکوں۔۔

مگر جب بندی اتنا پڑھ لیتی کہ اس کے فیصد

نمبر 80 پلس ہوتے تو پھر اتنے ڈھیروں

نوٹس اور راتوں کو جاگ جاگ کر پڑھنے کی

کیا ضرورت ہے اتنے ہی نمبر میرا کل سرمایہ ہیں"

اباسہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور جو بعد بات آپ لڑکا لڑکی کی دوستی کی کر

رہے ہیں تو کیا یہ آجکل کا کوئی نیا ٹرینڈ چلا ہے کہ کوئی اسے کیے بغیر رہ نہ جائے...

دیکھیں مسٹر میں آپ کو لیکچر ہرگز نہیں دوں گی بس یہی کہوں گی کہ میں لڑکوں سے دوستی

کرنا جائز نہیں سمجھتی ہاں اگر کلاس فیلوز سے یا کسی اور لڑکے سے ضرورت کے تحت بات

کرنی ہو تو وہ میں ضرور کر لیتی ہوں اس میں کوئی ایشو نہیں لیکن یہ دوستی کے

چونچلے میں نہیں پالتی کیا پتا آج

دوستی کی آفر آرہی اور کل کلاں ہوٹلنگ کا کہیں گے

پھر آپ کہیں گے مجھے آپ سے محبت ہوگئی فلاں فلاں اور میں یہاں صرف اپنی تعلیم پوری

کرنے کی غرض سے آئی ہوں اور کل اگر کوئی عزت پر

حرف آتا تو معاشرہ لڑکی کو ہی قصور وار ٹھہراتا لڑکوں کو کون پوچھتا ہے یہاں۔ خیر اتنا کافی ہے

میں کسی

اور کو اس کے فعل سے نہیں روک سکتی مگر خود پر مجھے اختیار ہے اس لیے میں خود ایسا کوئی

کام نہیں کروں گی جس سے میرے والدین کی عزت پر
حرف آئے۔

چلو لڑکی کلاس میں چلتے ہیں یہ لیکچر تو

آج فری تھا اگلا شروع ہونے میں تھوڑا ہی ٹائم ہے۔"

اباسہ نے دانیل کے پاس آکر کہا جوتب سے خاموش

تماشائی بنی باتیں سن رہی تھی مگر زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا کیونکہ اسے بخوبی علم تھا
کہ

اباسہ اپنے لئے لڑنا جانتی ہے۔

دونوں لڑکے ابھی بھی ہونقوں کی طرح کھڑے ان کی پشت کو دیکھ رہے تھے۔

مسقط کی طویل سڑکوں پر لینڈ کروزر فرائے

بھرتی جا رہی تھی۔

گاڑی میں نصرت فتح کی آواز نے اپنے سر بکھیرے ہوئے تھے۔۔

آنکھوں پر گلاسز لگائے نظر سڑک پر مرکوز کیے وہ سنجیدہ تاثرات کے ساتھ ڈرائیو کر رہا تھا۔

اپنی مطلوبہ منزل پر پہنچ کرنے اس نے کار پارک کی

اور دروازہ کھول کر باہر نکلا بلیک جینز پر وائٹ شرٹ اور دائیں ہاتھ میں قیمتی گھڑی پر وقت

دیکھتے

وہ 22 سالہ نوجوان تیزی سے عمارت کے اندر داخل ہوا۔ سب کے سلام کا جواب دے کر وہ اپنے بابا کے آفس داخل ہوا مگر زاہد ملک موجود نہ تھے۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل آن کیا ایک نمبر ڈائل کر کے اس نے فون کان سے لگایا۔

السلام علیکم! رابطہ ملتے ہی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وعلیکم السلام! جی آپ کون؟

لائن پہ موجود شخصیت کی بات سن کر

ذوالنون کا قہقہہ بلند ہوا

شاید اسے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔

"دیکھیں لیڈی مانا آپ اس عمر میں پہنچ کر بھی خوبصورت دوشیزاؤں کو مات دے جاتی ہیں مگر

اب ایسا ظلم تو نہ کریں کہ اپنے جوان، ہونہار، فرما بردار...

"بس بس بیٹے مجھے تمہاری سبھی خوبیاں ازبر

ہیں اس لیے ذرا اپنی چلتی زبان کو بریک لگاؤ اور

یہ بتاؤ کہ میں نے تمہیں کچھ کہا تھا"

منابل بیگم (اس کی والدہ) نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹی۔
"مما اب میں کیا کہوں بہت زیادہ مصروفیت تھی سر کھجانے کا ٹائم بھی نہیں ملتا تھا۔
آج ہی فری ہوا ہوں ابھی ساڑھے بارہ ہوئے ہیں چار بجے آپ کے پاس موجود ہوں گا۔
گھڑی پر وقت دیکھ کر اس نے اپنی ماں کو تسلی دی۔
"شاباش ہے میرے لاڈلے تم ہی تو سب سے مصروف
بندے ہو اس ملک کے جسے سر کھجانے کا وقت بھی نہیں ملتا۔
چلو ماں کو تو فون کیا نہیں پر اپنے سر کو ہی کھجالیے اس میں کتنا وقت درکار تھا زیادہ
وقت تو ماں کو فون کرنے میں لگ جانا تھا
میرے فرماں بردار بیٹے جس کی فرمانبرداری کی مثالیں دیتی ہیں بالکل نہیں تھکتی اب یہی
مثال لے لو۔"
منابل بیگم نے بھگو بھگو کر اسے طنز مارے۔
ذوالنون نے انکی باتوں پر بمشکل اپنا قہقہہ روکا کیونکہ
اگر وہ ہنستا تو منابل بیگم کا پارہ مزید ہائی
ہو جانے کا خدشہ تھا مگر ہائے رے قسمت ضبط
کرنا ہی تو مشکل کام ہے اور ذوالنون اس امتحان
میں فیل ہو گیا۔

"ذوئی بے شرم کچھ حیا ہے کہ نہیں ماں تمہاری چار دن سے تمہارے فون کا انتظار کر رہی ہے اور تمہیں

اپنے کاموں سے ہی فرصت نہیں جانے سے پہلے میں نے تمہیں سختی سے تاکید کی تھی کہ چاہے چند سیکنڈ کے لئے ہی سہی مجھے اپنی خیریت کا بتا دینا مگر میرا بیٹا تو فرمانبردار ہے اور بہت مصروف بندہ کیسے بتاتا"

مناہل بیگم کو اس کی ہنسی سے تب چڑھ گئی اور پھر ذوالنون کو ذلالت کا سامنا کرنا پڑا۔
"مما سچ میں دل سے معافی مانگ رہا آپ بتائیں کیسے راضی ہوں گی شام کو واپسی پر آپ کے لیے کوئی

گفٹ لاتا ہوں یا آپ بتائیں آج آپ کیا چاہتی ہیں جو کہیں گی وہی کروں گا آپ بھی کیا یاد رکھیں گی۔"
ذوالنون مسکراتے ہوئے ان کی فرمائش سننا چاہ رہا تھا لیکن مناہل بیگم کی فرمائش نے اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب کر دی کیا کچھ نہیں یاد آیا تھا اسے اس ایک لمحے میں پرانے

زخم پھر سے تازہ ہو گئے یا شاید وہ زخم کبھی بھرے ہی نہیں تھے۔
مزید پانچ منٹ بات کر کے اس نے کال بند کر دی اور
تھکے ہوئے انداز میں چیئر پر
بیٹھ گیا۔

"نینی"

بہت آہستہ سے اس کے لبوں سے یہ نام نکلا
اور دکھ سے اس نے آنکھیں
موند لیں۔

کال بند ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا مگر مناہل بیگم کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا۔
وہ ہنوز سر تھامے رو رہی تھیں اور سوچ رہی
تھیں کہ کیسے ذوالنون کو اس غمزہ کیفیت سے
نکالیں۔ ماں تھی ناں کیسے اپنی اولاد کو سسکتے ہوئے دیکھتیں۔
سات سال گزر گئے تھے اور وہ پاکستان نہیں گئے تھے۔
زاہد ملک کا کاروبار مسقط میں ہی تھا۔

سات سال پہلے ہوئے واقعے نے ان کی زندگیوں میں نہ

ختم ہونے والا دکھ بھر دیا تھا...

جسکا سب سے زیادہ اثر ذوالنون پر ہوا تھا۔

ڈاکٹرز کے کہنے پر اسکا ماحول تبدیل کروایا۔

زاہد ملک دو افراد پر مشتمل اپنی فیملی کو بھی

مسقط لے آئے۔

یہاں آکر بھی ذوالنون کو تین سال گے

نارمل ہونے میں اس کے والدین نے آن تھک محنت

کی تھی اس پر مگر پھر اس نے

کبھی پاکستان نہ جانے کا فیصلہ سنا دیا۔

لیکن پچھلے دو سالوں سے مناہل بیگم نے اشاروں

کناویوں میں پاکستان جانے کی بات کی۔

جس پر ذوالنون کوئی رد عمل ظاہر نہ کرتا۔

مگر ذوالنون کی نانی کی طبیعت بہت زیادہ خراب

ہو گئی تھی۔

ان کے دونوں گردے ناکارہ ہو چکے تھے۔

ہفتے میں دو بار ان کا ڈائلیسس ہوتا تھا وہ یہی

سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں کہ ذوالنون کو پاکستان جانے کے لیے کیسے منایا جائے۔
کیونکہ مزید اب وہ اپنے پیاروں سے دور نہیں رہ سکتی تھیں۔
یہی سب سوچتے انہوں نے کچن کا رخ کیا
تاکہ ذوالنون کے لیے کچھ بنا سکیں۔

زاہد ملک اپنے آفس میں داخل ہوئے تو سامنے ذوالنون کو چیئر پر آنکھیں بند کئے بیٹھے دیکھا۔
وہ بے ساختہ مسکرائے۔
آہم! انہوں نے گلا کھنکھارتے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ مگر وہ ہنوز آنکھیں موندے بیٹھا رہا۔
آہم آہم! زاہد ملک نے اور زور سے گلا کھنکھارا۔
اب انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ذوالنون جان بوجھ کر انہیں
تنگ کر رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنے چہیتے کو خطرناک طریقے سے اپنی طرف متوجہ کرتے... ذوالنون نے
پہلے ہی آنکھیں کھول دیں۔

"ارے بابا آپ کب آئے پتہ ہی نہیں چلا"
ذوالنون فوراً چیئر سے اٹھا اور اپنے باپ کے گلے لگا۔
"اوہ تمہیں پتا ہی نہیں چلا میں کب آیا؟"

زاہد ملک نے کہتے ساتھ ہی اس کا کان مروڑا۔

"ہاں بھئی بر خودار بتاؤ اب.... وہ پتا نہیں کیسے

بیٹے ہوتے ہیں جو باپ کی خوشبو سے ہی اس کی آمد پہچان جاتے ہیں... اور میرے اتنے

کھانسنے پر بھی تم متوجہ نہیں ہوئے۔

خوشبو تو دور کی بات ہے۔"

"ارے بابا میں تو مذاق کر رہا تھا اور جہاں تک بات

ہے آپ کی خوشبو کی وہ تو مجھے تبھی آگئی

تھی جب آپ اپنی کار سے باہر نکلے ان ہواؤں نے

مجھے آپ کے آنے کی خبر دے دی تھی۔"

ذوالنون ملک مبالغہ آرائی سے کام لیتے اپنے کان

کو آزاد کروانا چاہ رہا تھا اور

وہ کامیاب ہوا۔

"خیر اب اتنی بھی نہ دو نمبریاں دکھاؤ... باپ ہوں۔۔ تمہاری ڈرامے بازیوں کے بارے میں سب

جانتا ہوں۔"

زاہد ملک کہتے ہوئے آفس میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئے۔

ذوالنون مسکراتے ہوئے ان کے پاس گیا اور بولا

"بابا یاد ہے وہ tangled مووی جس میں لڑکی
کے بہت لمبے بال ہوتے ہیں اس میں لڑکی کی نقلی ماں
گانا گاتی تھی کہ "ہاں ماں سب جانتی ہے"
مگر یہاں میری صورتحال الگ ہے یہاں ماں تو کیا
باپ بھی سب جانتا ہے۔"

ذوالنون دکھی انداز اپناتے ہوئے اپنی ہی ہانکنے میں مصروف تھا۔
مگر جب نظر زاہد ملک پر پڑی تو فوراً خاموش ہو گیا۔ کیونکہ وہ خونخوار نظروں سے اسے گھور رہے
تھے۔

"مسٹر ذوالنون ملک کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ
جوتا کچھ دن پہلے ہی نیا خریدا ہے
چکھنا چاہیں گے آپ؟؟

زاہد ملک نے دانت پیستے ہوئے ذوالنون کو دھمکایا

وہ فوراً سے پہلے صوفے سے اٹھا اور کافی

فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا کہ کہیں سچ میں ہی

بابا پٹائی نہ کر دیں۔

"بابا یار ضرورت نہیں اسے چکھنے کی کیونکہ میں

گھر جا رہا ہوں اور ممانے میرے لیے ضرور کچھ
اسپیشل بنایا ہوگا۔

میں تو چلا آپ اپنا آفس انجوائے کریں۔"

وہ جانے کے لیے مڑا مگر پھر واپس پلٹا۔

"ویسے بابا صحیح بات بتاؤں تو میں نے یہ سنا

ہے کہ عاشق حضرات کو اپنے محبوب

کی خوشبو سے ہی اس کے اپنے آس پاس موجود

ہونے کا پتہ چل جاتا ہے ...

لیکن میں نہ تو آپ کا عاشق ہوں اور نہ ہی آپ میرے محبوب ہیں۔"

اس سے پہلے کہ زاہد ملک واقعی اپنا جوتا اتار کر

اسے مارتے وہ ہنستے ہوئے دروازہ کھول کر

جھپاک سے باہر نکل گیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی زاہد ملک کا بھی جاندار

قہقہہ بلند ہوا۔ اتنی تو محنت کی تھی انہوں نے اسے

زندگی کی طرف لانے کے لیے اسے خوش اور

مسکراتا دیکھ کر ہی تو وہ جی رہے تھے۔

ذوالنون نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کہاں سے آرہے
ہیں اس کا یقیناً یہی خیال ہوگا کہ آج پھر بابا
کام کے سلسلے میں کہیں باہر نکلے ہوں گے۔
مگر آج وہ بہت اہم کام کے لیے گئے تھے۔
جس کے بارے میں وہ ذوالنون کو بتانا چاہتے تھے
پر ہمت ہی نہ ہوئی۔

اپنی اولاد کے دکھ نے انہیں وقت سے پہلے بوڑھا
کر دیا تھا۔ دوسری طرف ذوالنون مسکراتا چہرہ لیے کار میں بیٹھا۔
اس بات سے بے خبر کے گھر جا کر اسے گہرا دھچکا
لگنے والا ہے۔

پونے چار بجے وہ گھر پہنچا مین گیٹ کھلا ہی ہوتا تھا۔ ہارن دے کر اس نے گاڑی گیراج میں
کھڑی کی۔

وہ داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا۔
گھر آتے ہی وہ صوفے پر ڈھے گیا۔
مناہل بیگم نے اس کے ہارن کی آواز سن لی تھی۔

وہ جوس لے کر اس کے پاس آئیں۔
مسقط میں سارا سال موسم گرم ہی رہتا تھا۔
جن مہینوں میں پاکستان میں شدید سردی ہوتی
یہاں کا موسم خوشگوار ہوتا تھا۔
"ذونی بیٹا"

آہٹ پر ذوالنون نے آنکھیں کھولیں۔

وہ جھٹ سے سیدھا ہوا۔

"السلام علیکم! ماما جان۔"

"وعلیکم السلام.. کیسا ہے میرا فرما بردار بیٹا؟"

منابل بیگم نے جوس کی ٹرے ٹیبل پر رکھی

اور شرارت سے اس کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"میں بالکل فٹ فٹ آپ کے سامنے ہوں۔ آپ بتائیں؟"

ذوالنون ان سے الگ ہوا اور ان کے دونوں ہاتھ عقیدت سے چومے۔

"میں بھی تمہارے سامنے ہی ہوں... بالکل فٹ فٹ.."

اچھا یہ جوس تو پیو۔"

منابل بیگم نے جوس کا گلاس اسے پکڑایا۔

اس نے جوس پی کر سر ان کی گود میں رکھ لیا۔
"لگتا ہے میرا بیٹا تھک گیا۔"

اچھا خاصا کہیں ماما جان... اور یہ جو آپ کے مجازی
خدا ہیں ناں! ان کو تو شاید میرے ساتھ
خدا واسطے کا بیر ہے۔

مجال ہے جو مجھے تھوڑا فری رہنے دیں۔
یونی سے واپسی پر آفس قریب ہونے کی وجہ سے
میں ان کا حال احوال پوچھنے جاتا ہوں تو وہ
مجھے الٹا آفس کی حفاظت کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔
جہاں میں بیٹھ کر ان کے آفس میں موجود فائلز سے
باتیں کرتا رہتا ہوں.. اور جب چار گھنٹوں کے
بعد وہ واپس آتے ہیں تو پیار بھرے لہجے میں
پوچھتے ہیں۔

"برخودار یقیناً تم بور نہیں ہوئے ہو گے؟"
ذوالنون کی بات پر مناہل بیگم کا قہقہہ بلند ہوا
اور اپنی ماں کو ہنستے دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا۔

میرا مظلوم ذونی!

مناہل بیگم نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔

تو اس نے طمانیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

چھ فٹ دو انچ قد، ہلکے بھورے بال اور

کالی آنکھیں، خوبصورت چہرہ، عنابی ہونٹ اور

چہرے پر ہلکی بیرڈ (داڑھی) نے اس کی خوبصورتی

کو مزید بڑھا دیا تھا۔

مناہل بیگم مسکراتے ہوئے اس کے بالوں میں ہاتھ

پھیر رہی تھی۔

مگر اچانک کچھ یاد آنے پر ان کا چلتا ہاتھ تھم گیا۔

"ذونی بیٹا مجھے تمہیں ایک اہم بات بتانی تھی۔"

مناہل بیگم نے اس سے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"تو بولیں ناں ماما... میں سن رہا ہوں۔"

"پہلے وعدہ کرو کہ تم تحمل سے میری بات سنو گے۔"

مگر ذوالنون نے ان کے بولنے سے پہلے ہی جھٹ

سے آنکھیں کھولیں اور صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"مما آپ کی یہ فرمائش میں پوری نہیں کر سکتا
جو آپ نے فون پر مجھے کہی تھی... آٹم سوری... لیکن مجھے اس بارے میں بات نہیں کرنی۔"
وہ یہ کہتے ہی اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

"تمہارے بابا نے پاکستان کی ٹکٹ کنفرم کر والی
ہے اور ہم کل کی فلائٹ سے پاکستان واپس جا رہے ہیں"
وہ جو آگے بڑھ رہا تھا ایک دم رک گیا اور
حیرانگی سے ان کی طرف مڑ کر دیکھا۔

"ذوئی بیٹا ہم ہمیشہ کے لئے پاکستان جا رہے ہیں"
اور ذوالنون ملک کو محسوس ہوا کہ پاکستان جانے
کا نام لیکر مناہل بیگم نے اس کی دکھتی رگ پر
ہاتھ رکھا ہے۔

"مما" اس نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔
"دیکھو ذوئی" لیکن اس نے فوراً ان کی بات کاٹ دی۔

"مما میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں اور اب بھی بتا رہا ہوں کہ مجھے پاکستان نہیں جانا اور پلیز
مجھ

سے مزید اس بارے میں بحث مت کریں"

وہ چڑ سا گیا۔

لیکن مناہل بیگم نے آج اس سے حتمی رائے لینے کا

فیصلہ کر لیا تھا۔ ذوئی کے روز روز کے انکار سے وہ

تنگ آگئی تھیں اور اب بھی اس کے انکار نے

انہیں طیش دلا دیا تھا۔

"ذوالنون ملک یہ بات یاد رکھنا اب اگر تم اپنی ضد

پر قائم رہنا پسند کرتے ہو تو پاکستان میرا مرا ہوا منہ

بھی نہ دیکھنے آنا"

کہتے ساتھ ہی وہ صوفے پر بیٹھ کر رونے لگی

اور ذوالنون ملک کا دل اندر تک کانپ گیا۔

وہ یونی سے دو بجے گھر آئی اور کھانا کھا کر

سو گئی۔ جب اٹھی تو شام کا وقت تھا۔ مغرب

کی نماز پڑھ کر نیچے آئی تو لاؤنج میں حیدر کو

صوفے پر بیٹھے بریانی سے بھرپور انصاف کرتے دیکھ

اباسہ کا حلق کڑوا ہو گیا۔

وہ دھپ دھپ کرتی اس کے سر پر پہنچی تھی۔

"کیوں بھئی ہمارے ملک کے مستقبل کے نامور مستری

آج بھی گھر والوں نے کھانا نہیں دیا۔"

اباسہ کی طنزیہ بات پر حیدر کا چاولوں کا چمچ منہ

میں لے جاتا ہاتھ ایک پل کے لئے رکا مگر اگلے

ہی لمحے وہ اسے انگور کیے پھر کھانے

میں مصروف ہو گیا۔

"لگتا ہے آج دیہاڑی زیادہ لگائی ہے اسی لیے زبان بھی

تھکی ہوئی لگتی"

وہ کہتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی کیونکہ اسے بھی بریانی کھانی تھی مگر اپنی امی جان کو "آلو

مٹر"

بناتے دیکھ کر وہ کافی حیران ہوئی اور بریانی

پکانے والا پتیلیا سرے سے غائب تھا۔

"امی جان! بریانی کدھر ہے مجھے بھی دیں۔ مجھے شدید بھوک لگ گئی ہے حیدر کو بریانی کھاتے

دیکھ کر"

اباسہ نے منہ میں پانی لاتے ہوئے کہا۔

"ارے وہ تو صفیہ (ہمسائی) کے گھر سے آئی تھی۔

تمہاری تائی اپنی امی کی طرف گئی ہیں۔

نشال اور حمزہ بھی ساتھ ہی ہیں۔ حیدر کہتا چچی بھوک لگی ہے اور پھر اُدھر (حیدر لوگوں کے پورشن میں) تو کوئی تھا نہیں۔ تو میں نے اسے یہ بریانی کھانے

کو دے دی بچارا اتنا تو تھکا ہارا آتا ہے۔"

طیبہ بیگم نے سالن میں چمچا ہلاتے ہوئے اسے بتایا جو صدمے سے اپنی امی کو دیکھ رہی تھی۔

وہ فوراً کچن سے نکل کر حیدر کی طرف

آئی جو تھوڑی سی بچی بریانی کو بھی ختم

کر رہا تھا۔

"اب یہ بریانی مجھے دو۔۔۔ تم نے بہت زیادہ کھالی

تھوڑی سی بچ گئی ہے۔"

اباسہ نے پلیٹ لینے کی کوشش کی پر حیدر نے

فوراً پیچھے کر لی۔

"بھوکڑ کہیں کے پلیٹ دے دو مجھے۔"

اباسہ چیختے ہوئے بولی۔

حیدر تیزی سے صوفہ پھلانگتے ہوئے دوسرے

صوفے کی طرف بھاگا اور جلدی
سے بچی ہوئی بریانی اپنی مسٹھی میں لی
اور منہ میں ڈال لی۔

اباسہ نے غم و غصے سے اس کی طرف دیکھا۔
"امی جان!"

اباسہ کا غصے کی زیادتی سے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
"میں نے نہیں بخشنا تمہیں... تمہاری ایسی توٹ پھوٹ کرنی ہے کہ آئندہ میرے ساتھ
ایسا مذاق نہیں کرو گے۔

تبھی میں کہوں کہ یہ گھنا بیسنا آج بول
کیوں نہیں رہا؟

وہ صوفوں کے ارد گرد پکڑم پکڑائی کھیل رہے تھے۔

حیدر اپنے دفاع کی پوری کوشش کر رہا تھا اور اباسہ اس کی توڑ پھوڑ کیلئے سر توڑ کوشش کر
رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے کیا مسئلہ ہے تم دونوں کے ساتھ؟"

طیبہ بیگم ان دونوں کی آوازیں سن کر باہر آئیں کہ شاید انہوں نے پھر نہ کوئی چاند چڑھا دیا
ہو۔

"اچھی جان میں نے تو اسے کچھ بھی نہیں کہا یہی
مجھے کہہ رہی ہے کہ تمہیں اپنے گھر سے کھانا
نہیں ملتا... اور... اور کہتی میں نے تمہاری توڑ پھوڑ
کر دینی ہے۔"

حیدر نے مسکین صورت بنائے طیبہ بیگم کو بتایا
اور چور نگاہوں سے اباسہ کو دیکھا جسکی آنکھیں اسے ایسے گھور رہی تھیں کہ جیسے وہ اسے کچا
چبائے گی
نہیں بلکہ سالم نکل جائے گی۔

رات کا کھانا تیار کر کے کے وہ اپنے کمرے میں آئی
جہاں اماں کو مل کو اپنی گود میں لیٹائے اس کے ساتھ باتوں میں مشغول تھیں۔
"چلو گریا اٹھو کھانے کا ٹائم ہو گیا ہے۔"

کارن فلیکس کا پیالہ ہاتھ میں پکڑے وہ کوئل
کی چارپائی کے قریب آئی۔

اماں نے آہستگی سے اس کا سر اٹھایا اور سائیڈ پر
رکھا گاؤ تکیہ رکھ کر کوئل کو بیٹھنے میں مدد

دی۔

"اماں آپ بھی کھانا کھالیں اور آرام کریں دن بھر
کی تھکی ہوئی ہیں۔"

قندیل محبت سے کہتے ہوئے اماں کی چھوڑی
ہوئی جگہ پر بیٹھ گئی۔

اماں "اچھا" کہہ کر کومل کے سر پر پیار کرتی کمرے
سے باہر نکل گئیں۔

"آپی"

کومل کو کارن فلیکس کھلاتے اس کا ہاتھ رکا۔

"کیا بات ہے ملی؟" قندیل نے چیخ واپس

پیالے میں رکھتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا کہ

کہیں پھر سے اس کی طبیعت تو نہیں خراب ہو رہی۔

"آپی ابو جی آج پھر سے اپنے کام پر چلے گئے

انہیں پتا تھا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

میری دوست فائقہ بتا رہی تھی کہ جب وہ سیڑھیوں

سے گری تھی تو اس کے پاپا دو دن اپنے کام پر

نہیں گئے اور اس کے پاس ہی بیٹھے رہتے لیکن میں تو کافی دنوں سے بیمار ہوں۔

ابو میرے پاس تھوڑی دیر کے لیے آتے ہیں اور چلے

جاتے ہیں کیا آپ ابو مجھ سے پیار نہیں کرتے؟

اس بارہ سال کی بچی نے اداسی سے اپنی آپا سے

پوچھا جو حیرت سے گریا کو دیکھ رہی تھی کہ وہ ایسی باتیں بھی سوچتی ہے۔

"نہیں ملی ابوجی تم سے پیار کرتے ہیں لیکن ان کا

کام پر جانا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ کام

پر نہیں جائیں گے تو پیسے کہاں سے آئیں گے اور ہم

کھانا کہاں سے کھائیں گے اور تمہاری دوائیں بھی تو لینی ہوتی جو اتنے پیسوں سے آتی ہے اور اگر وہ بھی

نہ لی تو تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہوگی۔

اور جلدی سے یہ پورا پیالہ ختم کرو پھر میں

تمہیں دوائی کھلا دوں۔"

قندیل نے نرمی سے اسے اس انداز میں سمجھایا کہ وہ اچھے سے سمجھ جائے کیونکہ وہ اس کے
چمکے ذہن

میں باپ کے خلاف باتیں نہیں بھر سکتی تھی۔

آدھا پیالہ کھا کر کومل نے مزید کھانے سے انکار کر دیا۔ کچھ دیر گزرنے پر اس نے کومل کو دوائی کھلائی اور اسے اپنا موبائل دے دیا تاکہ وہ تھوڑی دیر گیم کھیل لے اور اس کا دھیان بٹ جائے۔

خود وہ یونی کا پڑھنے کے لئے اپنی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ شام کے ساڑھے چھ کا وقت تھا ابھی بھائیوں کے اکیڈمی سے واپس آنے میں گھنٹہ باقی تھا تب تک وہ انگلش کی پریزنٹیشن تیار کر لے گی یہی سوچتے ہوئے اس نے رجسٹر کھولا تاکہ اہم پوائنٹس لکھ سکے۔

دائین اور تابندہ تھوڑی دیر پہلے ہی ٹیوشن پڑھا کر فارغ ہوئی تھیں۔ تابندہ نے صالحہ بیگم کے ساتھ مل کر روٹیاں بنائیں۔

اب وہ تینوں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں شہیرا بھی اکیڈمی سے واپس نہیں آیا تھا اور

زینب میڈم کو بھوک نہیں تھی اس لیے وہ اندر کمرے میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔
"تمہارے بابا نے بتایا کہ انکی کوئٹہ سے واپسی کب تک ہے؟"

کھانا کھاتی صالحہ بیگم نے تابندہ سے پوچھا۔

"ہاں جی پرسوں تک یہاں آئیں گے ان کی کل صبح

نوجے کی ٹکٹ بک ہوئی ہے تو پرسوں نوجے تک

فیصل آباد پہنچ جائیں گے۔"

تابندہ نے لقمہ چباتے ہوئے جواب دیا

"اور دانی ایک نیوز بھی ہے میرے پاس تمہیں

دینے کے لیے"

"رہنے دو آپی تمہاری نیوز بھی تمہاری طرح پھسکی

ہوتی ہیں"

دانی نے بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا۔

"چلو بھئی جیسے تمہاری مرضی"

تابندہ کھانے سے فارغ ہو کر چٹیر سے اٹھ گئی۔

"اور ہاں اپنا واٹس لیپ چیک کر لینا کسی کا میسج

ہی آسکتا ہے۔" تابندہ ذو معنی انداز میں کہتی اپنے کمرے میں چلی گئی اور صالحہ بیگم بھی

مسکراتے ہوئے

کھانے کے برتن اٹھانے لگیں۔

دانیل نے جلدی سے بچی روٹی کھائی اور ہاتھ دھو کر موبائل دیکھنے کمرے کی طرف بھاگی کیونکہ تابندہ کی ذومعنی بات اور صالحہ بیگم کی مسکراہٹ صاف کسی خوشگوار بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

کچھ سیکنڈز کی خاموشی کے بعد دانیل کی خوشی سے چیخنے کی آواز آئی وہ اپنے کمرے سے نکل کر تابندہ کے کمرے میں گئی اور جھٹ سے الماری کے سامنے کھڑی اپنے کپڑے نکالتی مسکراتی تابندہ کے گلے لگ گئی۔

"ارے واہ آپ نے تم نے تو اس بار بڑی شاندار نیوز دی ہے ایم سو پیپی" وہ اسے زور سے گلے لگائے خوشی سے جھوم رہی تھی۔

"اچھا اب میں ماما کو بھی مبارکباد دے کر آتی ہوں"۔ تابندہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر آگئی۔

"دانی آپ کی کیا ہو گیا ہے آپ کو؟

جو اتنی خوشی سے چیخیں مار رہی ہیں" زینب نے منہ بسورتے ہوئے دانیل سے کہا۔

"ہائے کیا بتاؤں زینی چلو لوگ کل رات کی فلائٹ سے پاکستان آرہے ہیں۔" دانیل نے

زینب کو خوشی سے جھنجھوڑتے ہوئے بتایا۔

"واہ.ہ.ہ سچ میں" زینب بھی خوشی سے چمکی۔

"ذوئی بھی آرہا ہے" تابندہ نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"زاہد کی فیمیلی بھی اتنے سالوں بعد واپس

آ رہی ہے میں بہت زیادہ خوش ہوں"

صالحہ بیگم نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہا۔

مگر وہ شکڈ زدہ چہرہ لیے کھڑی تھی۔

آج سات سالوں بعد وہ واپس آرہا تھا کتنی یادیں تازہ ہوگئی تھیں دل پھر غم سے پھٹنے لگا تھا۔

تابندہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا جو

اپنے آنسوؤں کو ضبط کرنے میں ہلکان ہو رہی تھی۔

صالحہ بیگم نے پیار سے اسے اپنے گلے لگایا اور ماں

کے گلے لگتے وہ ایک بار پھر ایسے پھوٹ پھوٹ

کر روئی جیسے سات سال پہلے اس رونما ہوئے واقعے

پر روئی تھی۔

تابندہ بھی خاموشی سے اپنی سسکیاں دبا رہی

تھی... زینب روتی صورت بنائے اپنی ماں اور بہنوں

کو دیکھ رہی تھی جو کچھ محلے پہلے بہت خوش تھیں اور اب بہت زیادہ رو رہی تھیں۔

"اولے چشمش ادھر آؤ بات سنو میری"

حسن نے سیرھیاں اترتی حمینہ کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ جو دوپہر کے کھانے کیلئے کچن کی طرف جانے کا ارادہ رکھتی تھی اس کے طرز تخاطب پر سیخ پا ہو گئی مگر خاموشی سے اس سے ذرا فاصلے پر آکر کھڑی ہو گئی۔

"ارشاد فرماؤ کیا آفت ٹوٹ پڑی تم پر؟ انداز ایسا اپنایا کہ حسن سمجھ جائے کہ وہ اس سے ناراض ہے۔"

"تمہیں کتنی دفعہ کہا کہ تائی امی کے ساتھ کام میں انکا ہاتھ بٹا دیا کرو پر مجال ہے جو تمہارے کان پہ جوں بھی رینگ جائے۔"

"دیکھو تم نہ اپنے کمرے تک ہی محدود رہا کرو اور زیادہ پھپھے کٹنی اور فساد ڈالنے والی آنٹی کا رول پلے نہ کرو ورنہ تم جانتے ہو مجھے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"ہائے مجھے نہ کچھ کہنا... ابھی تو تم نے اپنے نازک ہاتھوں سے مجھے ٹچ بھی نہیں کیا میری چشمش ... میں تو تمہاری باتوں سے ہی ڈر گیا۔"

وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتا مسکراتا ہوا اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"آج تم دیکھتے جاؤ تمہارے ساتھ ہوتا کیا ہے۔ وہ حالت کروں گی تمہاری حسن چوہدری کہ یاد رکھو

گے کہ حمہ چوہری بھی کیا چیز ہے؟

"کیا بلا ہے بھئی یہ حمہ چوہری ہمیں بھی پتا چلے"

نانی اماں کی آواز پر وہ بوکھلا گئی۔

نانی اماں اپنی چھڑی سنبھالتی اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی اور کڑے تیوروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اور تو آج مجھے یہ بتا دے تجھ میں تمیز نام کی کوئی شے ہے کہ نہیں جو تجھے اتنا نہیں معلوم کہ اپنے شوہر سے بات کیسے کرتے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے اسے... اور حسن بچہ تو یہ پیاز والی ٹوکری پکڑا اسے میں دیکھتی ہوں کیسے نہیں یہ کام کرتی... اس کی رخصتی تک ادھر ہی ہوں میں۔"

اور وہ آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے غصے سے ٹوکری اٹھائے کچن کی طرف چلی گئی۔

"وہ میں کہہ رہا تھا اب آنسو تو نکل ہی آئے ہیں تو گے ہاتھوں پیاز بھی کاٹ دو۔"

وہ شرارت سے کہتا کچن کے دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ حمہ نے غصے میں پاس پرٹا چمچا اٹھا کر اسے مارا۔

حسن تو بروقت پیچھے ہٹ گیا مگر بد قسمتی سے چمچا اندر آتے ردوان کے ماتھے پر لگا تھا۔

"ہائے اللہ مستقبل کے اتنے خوبصورت اور مشہور

سرجن کا سر پھوڑ دیا۔۔۔ ہائے حمہ تیرا کاکھ نہ روے..

کوئی تیرے بھی ایسے ہی چمچے مارے.. مار مار کہ
تیرے نیل پڑ جائیں اور تو میرے پاس علاج کیلئے آئے اور
میں..." اس سے پہلے کہ ردوان مزید گل چھلے اڑاتا
حمنے کے رونے کی آواز پر دونوں بوکھلا گئے۔

"اوائے بے شرم تم نے میری معصوم سی بیوی کو رولا دیا
شرم نہیں آتی۔"

حسن نے کہتے حمنے کے کندھے پر ہاتھ رکھا جسے اس نے زور سے جھٹک دیا۔
"یار چشمش تم.."

حسن نے فوراً منہ بند کر لیا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ لی کیونکہ حمنے سرخ چہرہ لیے اسے گھور رہی
تھی۔

"پارٹنر بات سنو"

ردوان نے بھی بولنے کی کوشش کی مگر حمنے نے اسکی بات کاٹ دی۔

"اب تم دونوں اپنی ساری باتیں مجھے ابو جان کے

سامنے سنانا" غصے سے کہتی وہ ان دونوں کا

دل دہلا گئی۔

"ارے میرے بے غیرت سالے کچھ کر ورنہ وہ تیری بہن نے ہمارے "تراں" تو نکال دیئے

ہیں باقی جان اس

"شیر" نے نکال دینی ہے۔"

"ارے میرے فوجی بھائی اب سب تیرے ہاتھ میں ہے

بچالے اپنے سالے کو اس شیر سے۔"

ردوان بھی ڈرتے ہوئے حسن سے کہہ رہا تھا۔ دونوں کوئی بہانہ بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ

بقول ان

کے شیر صاحب گونگے بندے سے بھی سچ
نکلا سکتے تھے۔

اب ایک ہی راستہ تھا کہ حمزہ کو منایا جائے تاکہ
وہ اپنی چیر پھاڑ سے بچ سکیں۔

یوسف چوہدری فیصل آباد کے جانے مانے "ہارٹ سرجن" تھے اور انکی بیوی رضیہ چوہدری
گورنمنٹ کالج میں ریاضی کی پروفیسر تھیں۔

یوسف کو اللہ نے دو بیٹوں سے نوازا تھا بڑے اسحاق اور تین سال چھوٹے علی تھے بیٹیوں کے
بغیر ان کا

گھر بے رونق ہی لگتا تھا لیکن کبھی

دونوں میاں بیوی نے خدا کے آگے شکوہ نہیں کیا
اور اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہی سیکھا اور یہی اپنے بچوں کی تربیت میں شامل کیا۔
اسحاق اور علی کے ننھیال اور دودھیال میں کل چار
لڑکیاں تھیں اور یوسف چوہدری کا اصول تھا
کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے کم تر نہیں سمجھا جائے۔
بیٹی کی خوشی رضیہ بیگم نے اپنی بہوؤں کی صورت پوری کی۔
اسحاق اور علی کی شادی ایک ساتھ ہی ہوئی۔
رضیہ بیگم کے نرم لہجے اور پیار نے فاطمہ اور
طیبہ دونوں بہوؤں کو ساتھ جوڑے رکھا اور خود کا نرم لہجہ اور پیار بانٹنا ان میں بھی منتقل کر دیا۔
یوسف چوہدری شوگر کے مریض تھے بچوں کی
شادیوں کے دو سال بعد ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رضیہ بیگم اپنے بڑے بھائی کے
ساتھ حج کی ادائیگی
کرنے گئی تھیں اور واپس آنا ان کے نصیب نہ تھا۔
شوہر کی وفات کے پانچویں سال وہ بھی اپنے اللہ
کو پیاری ہو گئیں۔
باپ کی وفات کے بعد اسحاق چوہدری اور

علی چوہدری نے اپنے باپ کے اصولوں کو نہ توڑا۔
اسحاق چوہدری آرمی میں تھے اور ان کی بیوی فاطمہ چوہدری ہاؤس وائف تھیں۔
اسحاق چوہدری کے دو بیٹے اور دو ہی بیٹیاں تھیں۔

سب سے بڑا حیدر دوسرے نمبر پر حمزہ پھر
ردوان اور اس سے پانچ سال چھوٹی نشال تھی۔
علی چوہدری معدے و جگر کے سپیشلسٹ تھے۔

ان کی بیوی بھی ہاؤس وائف تھیں ان کے
دو بیٹے حسن اور اسامہ تھے اور ایک ہی بیٹی
اباسہ تھی۔

دونوں بھائیوں کے گھر الگ تھے مگر گھروں کے
درمیان ایک دروازہ بنا ہوا تھا تاکہ اس گھر
سے دوسرے گھر آنے جانے میں آسانی ہو۔

ناشتہ دونوں فیملی ایک ہی ٹیبل پر کرتے تھے باقی
وقت کا کھانا اپنے اپنے گھر میں بنتا تھا۔

نوجوان پارٹی تو سارا دن اور رات ادھر سے ادھر گردش
کرتے ہی رہتے تھے۔

اسحاق چوہدری کی پوسٹنگ سیالکوٹ میں
ہوئی تھی۔

حسن چوہدری اور حمزہ چوہدری کا دو سال پہلے نکاح ہو چکا تھا اور حمزہ کے انگلش میں ایم۔ فل
مکمل

ہونے کے بعد اس کی رخصتی کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔
کچھ ہفتے پہلے وہ ایم۔ فل مکمل کر چکی تھی۔
اور اب دس دن بعد اس کی رخصتی علی چوہدری کے
گھر طے پائی تھی۔

ایک ہفتے سے سجاد خلاف توقع خوش تھا اور
خوب چمک رہا تھا کیونکہ اس کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔
زینہ اور بچوں کے ساتھ اس کا رویہ بھی ٹھیک
تھا۔۔۔ زینہ کی امی نے کی پیدائش پر ایک ہفتے سے
یہاں ٹھہری ہوئی تھیں۔

اس کے باقی بچے ایک ہی کمرے میں بیٹھے سکول کا
کام کرنے میں مصروف تھے۔ زینہ نومولود بچے

کو گود میں دودھ پلاتے ہوئے بچوں والے کمرے میں ہی موجود تھی اور اس کی امی نیچے رات کے کھانے کا انتظام کر رہی تھی۔

سجاد شدید غصے میں گھر آیا تھا کسی جاننے والے نے اس سے 20 ہزار ادھار لیا تھا مگر وہ واپس نہیں

کر رہا تھا اور ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

سجاد آج اس سے ہاتھ پائی ہو کر آیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس آدمی نے پیسے دینے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ دھمکی بھی دی کہ اب وہ اس سے پیسے نکلوا کر دکھائے۔

سجاد غصے میں اسی کمرے میں داخل ہوا جہاں بچے موجود تھے۔

"زبینہ میرے لیے پانی لے کر آ"

کمرے میں موجود کرسی پر بیٹھتے اس نے سرد لہجے میں حکم دیا۔ زبینہ نے اپنے بڑے بیٹے کو پانی لانے کا کہا

کیونکہ گود میں لیے اپنے ننھے شہزادے کو وہ دودھ پلا رہی تھی۔

"تجھے کس کام کے لیے رکھا ہے زبینہ تیرا نام ہے یا اس کا" سجاد نے غصے سے کہا

زبینہ اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سے بولی:

"تو کیا ہو گیا نظر نہیں آتا چھوٹے کو دودھ پلا رہی ہوں کوئی الٹھا کام نہیں پانی پلانا"

"میرے آگے اپنی زبان بند رکھا کرو"

سجاد طیش میں آکر بولا۔

"کیوں بند رکھوں اپنی زبان تمہارا جب دل چاہے
مجھے صبح شام ذلیل کرو اور میں تمہاری تذلیل منہ
سے سنتی رہوں... واہ کیا فلسفہ ہے تمہارا۔

تمہیں تو داد ملنی چاہیے اس فلسفے پر"

وہ طنزیہ مسکراتی اپنے بیٹے کو بیڈ پر لٹائے کھڑی
اس سے لڑ رہی تھی۔

زینہ کی امی بیٹی اور داماد کی زوروشور سے ہوتی لڑائی سن کر فوراً بھاگتی ہوئی کمرے میں آئیں۔
"سجاد بیٹا کیا ہوا اتنے غصے میں کیوں ہو کوئی بات.."۔
ابھی انکی بات منہ میں ہی تھی کہ سجاد نے درمیان
میں ہی ان کی بات کاٹ دی۔

"کچھ نہیں ہوا آپ اپنے کام سے کام رکھیں یہ میرا اور میری بیوی کا معاملہ ہے آپ نے تو
اپنی جاہل اور

بدتمیز بیٹی میرے پلے باندھ دی ہے اب آپ خوش رہیں اور اپنے گھر زندگی کے جو کچھ دن رہ
گئے ہیں انہیں

آرام و سکون سے گزاریں اور ہمیں ہمارے حال پر

چھوڑ دیں۔"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے ان سے کہا۔
زینہ کی امی دکھی ہوتے ہوئے خاموشی سے کمرے سے
باہر آ گئیں۔

"اور تم"

سجاد نے زینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"دن بدن جو قینچی کی طرح اپنی زبان چلا رہی نہ.. تمہاری
لگامیں تو مجھے کسنی پڑے گی۔"

"ابا آپ اماں سے کس طرح بات کر رہے ہیں آپ اتنی
اونچی آواز میں اماں سے بات نہ کریں ہماری ٹیچر کہتی ہیں کہ لڑائی نہیں کرنی چاہیے اور پیار
بانٹنا چاہیے۔"

وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ اتنا لاؤڈلی نہیں بولے

تو آپ کیوں ایسے بول رہے ہیں۔"

اس کا 7 سالہ بڑا بیٹا چہرے پر غصے کے تاثرات لائے

اپنی ماں کی حملیت میں بولا۔

سجاد جو پہلے ہی غصے سے بھرا پڑا تھا اور کمرے

سے باہر جاتے قدم واپس موڈے اور بے حد سرخ
چہرہ لکے پلٹا اور زور دار تمپڑ اس معصوم کے منہ پر
چھڑ دیا۔

تمپڑ سجاد نے اتنی زور سے مارا کہ وہ معصوم لڑکھڑا کر فرش پہ گرا اور بیچارے کا دانت ٹوٹ
گیا۔

"اب یہ ٹڈے بھی میرے آگے بکواس کریں گے تم سب کا
میں اچھے سے علاج کرتا ہوں۔"

سجاد فضولیات بکتا گھر سے باہر نکل گیا۔

زینہ کی امی سجاد کے گھر سے باہر نکلتے ہی بچوں کے پاس آئیں اور بچے کو اپنی آغوش میں لیا
جو

زور و شور سے رو رہا تھا اور ساتھ اس کے دونوں بہن بھائی بھی رو رہے تھے اور زینہ حیرت کا
بت بنی بیڈ پہ بیٹھی تھی۔

بہن نے جلدی سے روتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو اٹھایا اور دکھ سے اپنی ماں کی طرف
دیکھنے لگی۔

حسن اور ردوان چپکے سے حمنے کے کمرے کے قریب آئے
تاکہ اسے منایا جاسکے حمنے تو حسن سے پہلے ہی
ناراض تھی وجہ یہ تھی کہ کل جب اس کی
نانی شادی کے سلسلے میں ان کے گھر آگئی تھیں تو
حسن نے حمنے کی ڈھیروں شکایتیں لگائی جس پر
نانی نے کو حمنے کو خوب جھڑکا۔

حمنے حسن سے شدید ناراض ہو گئی اس پر مزید اسے "چشمش" کہنا حمنے کو زیر لگتا تھا لیکن
حسن

باز نہ آتا۔
اسحاق چوہدری حمنے سے بہت پیار کرتے تھے کیونکہ وہ تھوڑی نازک مزاج تھی اور چھوٹی چھوٹی
باتوں

پر رونے لگ جاتی تھی حسن کے تنگ کرنے پر حمنے اسے
اسحاق چوہدری کو بتانے کی دھمکی دیتی جس سے
وہ ڈر جاتا مگر اس کے شکایت نہ لگانے پر وہ
پھر سے پرانی حرکتوں پہ آ جاتا۔

حسن نے ردوان کو کمرے سے باہر کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور خود ناک کر کے کمرے میں

داخل ہوا حمزہ جو

موبائل میں مصروف تھی اس نے چونک کر سر اٹھایا
حسن کو کمرے میں دیکھ کر غصے سے موبائل
بیڈ پر پھینکتی اس کی طرف آئی۔

"کدھر منہ اٹھائے پھر رہے ہو یہ میرا کمرہ ہے نکلو
یہاں سے۔"

"ہم میں میرا تیرا کب سے شروع ہوا جو میرا ہے
وہ تمہارا بھی ہے اور جو تمہارا ہے وہ میرا بھی ہے۔"
حسن شرارت سے کہتے ہوئے اس سے کچھ فاصلے پہ
کھڑا ہوا۔

حمزہ نے سر سے پیر تک اسے عجیب نظروں سے گھورا۔
"اور آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ یہ میرا تیرا
کا سلسلہ شروع ہی کب ہوا تھا۔"

"چھوڑ یہ سب باتیں تم بس ہمیں معاف کر دو۔"
"اس دفعہ تمہیں اور تمہارے اُس دو کوڑی کے چمچے
ردوان کو بالکل بھی معاف نہیں کروں گی اور

اور ابو جان کو تم لوگوں کی شکایت ضرور لگاؤں گی۔"
حمنے نے اٹل لہجے میں کہا۔

اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ اس دفعہ ان دونوں کو نہیں چھوڑنے والی۔۔۔ اندر کمرے میں
موجود حسن اور باہر

کمرے کے دروازے پر کان لگائے ردوان۔۔۔ دونوں کے دل حمنے کی بات پر سوکھے پتے کی
مانند لرزنے لگے۔

"چشمش مان جاؤ نہ" حسن اسے منانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا پر وہ شاید ابھی اسے
معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"اب تو بالکل معاف نہیں کرنا۔۔۔ مجھے میرے نام سے پکارا کرو۔۔۔ چشمش۔۔۔ چشمش" اس نے
منہ بگاڑتے ہوئے "چشمش" کہا۔

"یہ کیا ہوتا ہے چشمش۔۔۔ میرا سیدھا نام لینے سے زبان ڈرتی ہے تمہاری"
وہ ایک ہاتھ کمر پر اور دوسرا ہاتھ ہوا میں نچاتے ہوئے لڑکا طیارہ بنی اسے سخت گھوڑیوں سے
نواز رہی تھی۔

"اچھا سوری اب نہیں کہتا مگر یار تم معاف کر دو آئندہ تنگ نہیں کروں گا۔
"ہااا۔۔۔ ہائے میں یار ہوں تمہاری" حمنے نے مزید غصے سے کہا۔

"اوکے تو میری جان کہہ لوں" حسن نے بمشکل غصہ ضبط کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"چھی چھی شرم نہیں آتی ایسے چھچھورے الفاظ استعمال کرتے ہوئے۔"
حمنہ اب اسے مزید غصہ دلا رہی تھی۔

"چلو پھر میری پیاری بیوی بن کہ مجھے میرے سسر جی سے بچا لو۔"
"ارے ارے میں کب سے بیوی بن گئی رخصتی میں ابھی دس دن باقی ہیں۔"
حمنہ کے کہنے کی دیر تھی اور حسن کا بہت دیر سے پکتا لاوا باہر آگیا۔

"اے میرے ابو کی بھتیجی ان کے بیٹے کی "منکوحہ" میرے ابو کے بڑے بھائی "اسحاق
چوہدری" کی دوسری اولاد مینوں معاف کر دو... میں تمہیں تنگ کرنے کی سنگین غلطی کر بیٹھا
ہوں لیکن آئندہ یہ غلطی نہیں ہوگی۔"

بس اگر آپ ہماری شیر کے ہاتھوں کھال ادھیڑنے سے بچا
لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"
حسن نے ہاتھ جوڑتے ہوئے گہری سنجیگی سے کہا اور اس کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ دونوں حسن کے کمرے میں پریشان بیٹھے تھے کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا اب وہ نہیں
بچیں گے کمرے میں آئے ہوئے ہیں انہیں مشکل دس منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ حمنہ
دروازہ نوک کرتی موبائل ہاتھ میں لیے حسن کے کمرے میں آئی
"ابو جان کا فون ہے وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

حمنے نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے موبائل حسن کی طرف بڑھایا اور اُس کی اس بات پر دونوں
سکتے میں آ گئے۔

حسن نے ڈرتے ڈرتے حمنے سے موبائل لیا اور گلا کھنکھارتے بات شروع کی۔
"السلام علیکم تیا جان!"

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہوینگ مین؟"

"الحمد للہ آپ بتائیں؟"

اسحاق چوہدری کا لہجہ تو خوشگوار ہی تھا مگر وہ خوشگوار انداز میں ہی تو دوسرے کی عزت
کو چار چاند لگا دیتے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے... اچھا ردوان کدھر ہے؟"

کمرے کے سنائے میں اسپیکر سے ابھرتی آواز صاف

سنائی دے رہی تھی۔ ان کا عام سے انداز میں

ردوان کے بارے میں استفسار کرنا ردوان کو "زور کا جھٹکا

ہائے زوروں" سے لگا گئی تھی۔

"وہ.. وہ.. تو ادھر.. ادھر نہیں ہے۔"

ردوان زور زور سے سر نہیں... نہیں میں ہلائے اور

ہونٹوں پہ انگلی رکھے اسے چپ رہنے کے اشارے کر رہا تھا۔ "حسن چوہدری اپنے قریب موجود

ردوان سے میری

بات تو کروائیں۔"

اسحاق چوہدری نے سنجیگی اختیار کرتے ہوئے

اُس سے کہا۔

"السلام علیکم ابو جان!

"وعلیکم السلام پتر جی۔ آج کیا کر توت انجام دی ہے میرے سپوت نے جو تمہیں مجھ سے بات
نہیں

کرنے دے رہی؟"

انکی چند سکینڈ پہلے کی سنجیگی پھر سے خوشگواریت میں ڈھل گئی تھی۔

"وہ آج میں اور اسامہ پھر سے کالج لیٹ پہنچے تھے

تو امی جان نے کہا کہ وہ آپ کو میری شکایت لگائیں

گی تو اسی لیے میں نے حسن کو.."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور پریشانی سے دوسرے ہاتھ سے اپنا ماتھا پیلنے لگا۔

"یہ تو نچے تم دونوں کا تقریباً روز کا ہی کام ہے کوئی نئی بات بتاؤ اور فکر نہ کرو میں واپس آ رہا

ہوں

پھر جب تگڑی سزائیں ملیں گی مجھ سے تو روز
کلاس میں سب سے پہلے پہنچو گے... خیر فون میں نے
اس لیے کیا تھا کہ تم اور حسن گاڑی لے کر
بسوں کے اڈے پہ پہنچو میں واپس آگیا ہوں کچھ ضروری سامان بھی لینا ہے مجھے جس میں تم
لوگوں

کے مشورے کی ضرورت ہے۔

جلدی پہنچو میں انتظار کر رہا ہوں۔

اسد حافظ۔

مزید کوئی بات کیے انہوں نے فون بند کر دیا۔

حسن اور ردوان دونوں نے بیک وقت حمزہ کی طرف
حیرت سے دیکھا۔

جو تب سے بیڈ کی پائنٹی پر بیٹھی خاموشی سے ان کی ساری باتیں سن رہی تھی۔ وہ آہستہ سے
چل کر ان

کے قریب آئی اور اپنا موبائل لینے کی غرض سے ردوان کے آگے اپنا ہاتھ کیا۔

"ہائے میری حمزہ، میری جان، میرا جہان

تیری خوشی کی خاطر میرا سب کچھ قربان

(از حرا شاکر)

ردوان نے بجائے موبائل واپس کرنے کے اسے زور سے گلے لگا لیا اور بے ڈھنگا سا شعر پڑھ کر سنایا۔

جس پر حمزہ کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

"بس بس.. تمہارے پاس ابھی اپنا ہے ہی کیا جو

مجھ پر قربان کرو گے۔ رہنے دو یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔"

آخر میں وہ طنز کرتی واپسی کے لئے پلٹی۔

"سنیے"

حسن نے اُسے پیچھے سے آواز دی۔

"جی فرمائیے"

اس نے بنا پلٹے جواب دیا۔

"آج کیلئے بہت شکریہ مسسز حسن۔"

"نو نیڈ مسٹر حسن۔" وہ یہ کہتے ہوئے باہر آگئی اور اس کے نئے طرزِ مخاطب پر کھلے دل سے

مسکرا دی۔

مسطط میں شام کے پانچ بج رہے تھے زاہد ملک اور ہارون ملک کی فیملی جہاز میں بیٹھی فلائٹ

کے

اڑنے کا انتظار کر رہی تھی ۔

ان سب نے جہاز میں seats ساتھ ہی رکھوائی تھیں سوائے ذوالنون کے وہ جانتے تھے اسے
فلحال اکیلا ہی چھوڑ دیا جائے۔

05:30 جہاز نے اڑان بھری ۔ مسقط سے لاہور تک دو گھنٹے کا سفر تھا ۔ پاکستان کے وقت
کے مطابق ان کی

فلائٹ ساڑھے آٹھ لینڈ کرنی تھی کیونکہ مسقط کا

وقت پاکستان سے ایک گھنٹہ پیچھے تھا۔

ذوالنون خاموشی سے آنکھیں موندے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور اپنی اور مناہل
بیگم کی کل کی ہونے والی باتیں سوچ رہا تھا۔

"مما آپ ایسے کک.. کیوں کہہ رہی ہیں آپ روئیں نہ۔"

مم.. میں مانوں گا ناں آپ کی بات۔ مگر مجھے چھوڑ کر جانے والی باتیں نہیں کریں گی۔"

وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے ان کے قدموں میں بیٹھ گیا "لیکن ممما وہاں "نینی" بھی تو ہوگی
ناں"

مناہل بیگم نے روتے ہوئے اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔

دروازے پر کھٹکا ہونے پر قندیل سر پر چادر لے دروازہ کھولے گئی۔

"السلام علیکم! بیٹا کیا یہ سجاد جٹ کا گھر ہے؟"

"وعلیکم السلام جج جی انکل میرے ابو کا نام سجاد جٹ

ہی ہے۔"

قندیل نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بیٹا آپ کے ابو کا بی پی شوٹ کر گیا تھا جس کی وجہ

سے وہ بے ہوش ہو گئے تو میں نے ایسولینس بلا کر

انہیں اپنے بیٹے کیساتھ ہسپتال بھیج دیا ہے۔

میں ان کے سٹور کے قریب ہی اپنے بیٹے کیساتھ

کام کرتا ہوں۔ گھر کے افراد میں سے جو بھی ہسپتال جانا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ آ جائے۔"

"اماں"

"اماں"

اس آدمی کے چپ ہوتے ہی قندیل روتے ہوئے زور زور سے

زریعہ بیگم کو آوازیں دینے لگی جو اوپر چھت پر

کومل کے پاس بیٹھی تھیں۔

"اور کوئی نئی تازی۔"

انہیں بات کرتے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا اور ان

تیس منٹ میں دانی نے کوئی تین سو

دفعہ یہ سوال کر لیا تھا۔

"دانی میری جان اگر تمہیں نیند آرہی ہے

تو سو جاؤ نہ۔"

میں کہاں سے اتنی نئی تازیاں سناؤں آج صبح ہی تو یونی

میں لے ہیں۔"

"ہاں چلو پھر بات ہوتی ہے۔"

حسب معمول دانی آج خاموش تھی۔

"دانی"

وہ جو کال بند کرنے لگی تھی اس کی آواز سن کر دوبارہ موبائل کان پر لگایا۔

"پریشان نہ ہو اور بالکل ریلکس ہو جاؤ۔"

اباسہ نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"فکر نہ کرو میری جان میں ریلکس ہوں۔ بس ایسا محسوس ہو رہا کہ جیسے ہی وہ سب میرے

سامنے آئیں گے

پھر سے وہ سب یاد آ جائے گا۔ اللہ سے کوئی شکوہ نہیں
یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔

بہت صبر کیا ہے پر ایسا محسوس ہو رہا کہ صبر کا دامن
ہاتھوں سے پھر چھوٹ رہا۔

دعا کرنا میرے لیے اور ہاں صبح میں نے یونی سے چھٹی کرنی ہے۔"
دانیل نے ہنستے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی۔

"ہاں چلو ٹھیک ہے پھر میں بھی کر لوں گی تمہارے بغیر میرا کہاں دل گے گا اچھا مجھے بہت
بھوک لگی

میں کھانا کھا لوں پھر بات ہوتی ہے۔

اللہ حافظ۔"

اباسہ نے مسکراتے ہوئے فون بند کیا اور فون بند کرتے ہی وہ خود بھی ہلکی آواز میں رونے
لگی۔

اپنی جان سے پیاری دوست کی باتیں اس کا دل چیر رہی تھیں۔ وہ اسکی ایسی دردناک باتیں
سننے کی

ہمت نہیں کر پا رہی تھیں مگر دانی تو اس سے ہزار گنا زیادہ اذیت میں مبتلا تھی۔

اس نے گہرے دکھ سے سوچا۔

"یا اسد"

وہ اسد کو پکارتی بیڈ پہ ڈھیر ہو گئی۔

"آج تو میں یونی سے چھٹی کرنے والی ہوں۔ مانو بھابو

کوئی نئی ریسپی ٹرائے کریں گے۔"

اباسہ نے ساتھ بیٹھی حممنہ سے کہا۔ آج کافی ٹائم بعد سب اکٹھے ہوئے تھے اور ناشتہ کر رہے تھے۔

اباسہ کی بات کا حممنہ نے کوئی جواب نہ دیا اور ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد پھر ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئی۔

"اباسہ بیٹے آپکو ناشتے کی میز پر بیٹھنے کے آداب بھول گئے ہیں۔"

اسحاق چوہدری کی سخت آواز نے اباسہ کو ڈرا دیا

تھا اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی

علی چوہدری کی بات نے اس کے خوشگوار موڈ کا ستیاناس کر دیا۔

"اور کوئی بھی گھر نہیں بیٹھے گا اپنے کالج اور یونیورسٹی جائے گا۔"
اباسہ نے بے حد برے ہوتے دل سے پانی کا کلاس اٹھایا سامنے نظر پڑی تو وہ چاروں اُسکی
حالت کی وجہ
سے اپنی ہنسی دبا رہے تھے۔

زیادہ دکھ اُسے اس بات کا ہوا تھا کہ اس کا بھائی اُسامہ
بھی اس پہ ہوئے ظلم کیوجہ سے ہنس رہا تھا۔

اباسہ بے حد برے موڈ کے ساتھ کلاس میں داخل ہوئی اور دھپ سے دوسری قطار میں بیٹھ
گئی۔
دائین آج چھٹی پر تھی تو سب سے آخر میں بیٹھنے کا کیا فائدہ۔ اباسہ کے گھر میں چھٹی کرنا
کبیرہ گناہ سمجھا جاتا تھا لیکن اگر کبھی دائین چھٹی کر لیتی سو اباسہ پہلی یا دوسری قطار میں
بیٹھ

کر ٹیچر سے جی بھر کے سوال پوچھتی تھی۔

ابھی اسے بیٹھے پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ قندیل

کلاس میں داخل ہوئی اس نے جلدی سے

پھیلی ٹانگیں سمیٹیں اور سیدھی ہو کر بیٹھی۔

"السلام علیکم"

قندیل نے مسکراتے ہوئے سلام میں پہل کیا اور

اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی

"وعلیکم السلام!"

ماشاء اللہ جلدی آگئی۔"

اباسہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس ویسے ہی"

قندیل نے پھیکے انداز میں جواب دیا

"ضرور تمہارے بدتمیز بھائی نے تمہیں جلدی

چھوڑ دیا اور تم آٹھ بجے کالج ہو"

اس نے پھر ہنستے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"نہیں مجھے بھائی تو چھوڑ کے نہیں جاتے میں تو..."

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی اباسہ

درمیان میں بول پڑی۔

"اچھا پھر ابو جان کے ساتھ آتی؟"

اس بات پر قندیل خاموش ہو گئی۔

"پریار ابو جان تو لیٹ نہیں کرتے۔"

اباسہ نے اپنی بات جاری رکھی بغیر قندیل کی حالت دیکھے۔

"میں خود ہی رکشہ پر آتی ہوں کبھی رکشہ جلدی مل جاتا ہے کبھی لیٹ اس وجہ سے میں

اکثر یونی وقت پر نہیں پہنچتی۔"

قندیل نے آہستگی سے جواب دیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے بندہ مزے سے آتا ہے رکشہ میں.. میرے

ابو جان تو ہمیں رکشہ میں بیٹھنے ہی نہیں دیتے۔"

اباسہ نے برا سامنہ بناتے بات پوری کی۔

"اچھا آپ کتنے بہن بھائی ہو؟"

قندیل نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیا ہوتا "تم" بولو مجھے اور ہم تین لوگ ہیں سب سے بڑے حسن بھائی، پھر اسامہ

بھائی اور چھوٹی میں۔ حسن بھائی آرمی میں اور ان کا میری کزن ساتھ

نکاح ہو چکا... نو دن بعد ان کی شادی ہے۔"

اباسہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اور تم بتاؤ"

ہم دو بہنیں اور ایک بھائی سب سے بڑی میں پھر
میرے دو جڑواں بھائی دانیال اور آفاق پھر ملی مطلب کو مل گریا اور ۱۰ سال کا سب سے
چھوٹا رحم ہے۔"

قندیل نے بھی ہلکی سی مسکان
کیساتھ بتایا۔

"ارے واہ تم لوگوں کی تو ماشاء اللہ سے پھر کافی
بڑی فیملی ہو گئی ناں۔"

اباسہ نے پھر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"اچھا بوٹنی کے پریکٹیکلز کے کونے ٹاپک ہیں مجھے ڈیٹیل میں بتا دیں۔"

قندیل نے بات بدلے ہوئے کہا پھر تھوڑی دیر میں سہ اشفاق بھی کلاس میں آ گئے تھے۔

وہ فجر کے وقت سے اٹھی ہوئی تھی۔ رات بھی نیند

اچھے سے نہیں آئی اور اب بھی وہ کروٹیں

بدل بدل کر تھک گئی۔

بالآخر ساڑھے نو اس نے بستر چھوڑ ہی دیا۔

بیچ کلر کا پرنٹڈ سوٹ پہنے، بکھرے بال، کندھوں پر سکن شال اوڑھے وہ آئینے کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"میری کوئی غلطی نہیں تھی یہ سب ایسے

ہونا طے تھا۔ پر ذریعہ میں بنی۔

مجھے بس اب ان سب سے ملنے کے لیے صبر سے کام لینا پڑے گا اور صبر تو ہوتا ہی وہ ہے جو ہم

خود کرتے ورنہ وقت تو کبھی نہ کبھی کسی

نہ کسی مقام پر صبر دے ہی دیتا ہے۔"

ایک آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھ سے بہا جسے

اس نے اذیت سے فوراً ہاتھ کی پشت سے رگڑ دیا۔

حلیہ درست کر کے وہ نیچے کیچن میں آئی

جہاں صالحہ بیگم سب کے ناشتے کا اہتمام کر رہی تھیں اور تابندہ ساتھ مدد کروا رہی تھی۔

"السلام علیکم!"

اس نے ہولے سے کہا۔

وہ دونوں متوجہ ہوئیں اور اس کے سلام کا جواب دیا۔

"دانی ناشتہ بالکل تیار ہے بس یہ دو تین پراٹھے رہ گئے بنانے والے تم یہ سارے برتن اور کھانا زینی اور شہیر کے ساتھ مل کر ڈائننگ ٹیبل پر سجاؤ اور ہاں بابا جانی فیصل آباد پہنچ گئے ہیں۔

دس پندرہ منٹ تک گھر پہنچ جائیں گے.. ماما آپ سب کو لاؤنج میں بلا لائیں دانی بھی اُدھر ہی مل لے گی۔"

تابندہ پھرتی سے پراٹھے بناتے ساتھ ساتھ ہدایات دینے میں مصروف تھی۔

"اور ہاں سچ وہ..."

اس سے پہلے کہ تابندہ کوئی اور حکم نامہ جاری کرتی دانی نے اسے ٹوک دیا۔

"اوہ بس بس آپ اتنی سیانی نہ بنو۔ حکم تو

ایسے چلائے جا رہی ہو جیسے سارا کھانا

ہی آپ نے بنایا۔ میری بنائی چیزوں کو فراٹی

کیا جا رہا، انہی کو گرم کیا جا رہا اور میرے ہی ہاتھوں

سے بنا قیمے کا مکسچر پراٹھوں میں

استعمال ہو رہا ہے۔"

دانی نے جلتے ہوئے تابندہ کو بتایا۔

"مما دیکھ لیں آپ خود - آپ کی یہ اولاد سب سے زیادہ تنگ کرنے والی ہے -"

تابندہ نے مصنوعی غصے سے اسے کہا ورنہ وہ خوش تھی کہ دانیل کا موڈ اچھا ہے -

"ہاں جی اور آپ تو مجھ سے دو سال بڑی ہیں تو دو ہاتھ آگے ہوں گی -"

دانیل شرارت سے کہتے برتن اٹھائے باہر کی جانب لپکی -

"اور ہاں یہ نہ بھولیں آپکو آلدیٹ بنانا میں نے

ہی سکھایا تھا اپنے استاد کی عزت کرنا سیکھیں -"

یہ کہتے ہی وہ صالحہ بیگم کو ساتھ لیے دروازے سے غائب ہو گئی -

"بدتمیز"

تابندہ ہنستے ہوئے آخری پراٹھا بیلنے لگی -

دانیل نے زینبی اور شہیر کے ساتھ مل کر ساری چیزیں رکھوائیں - عباس ملک بھی پہنچ گئے تھے

-

سب بہت خوش تھے مناہل بیگم اور صالحہ بیگم کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے جسکی وجہ سے باقی سب کی آنکھیں بھی نم تھیں۔

دائیں آگے بڑھ کر عباس ملک سے ملی اور ہارون چلچو، ان کے بچوں اور چچی سے بھی ملی۔

جب باری زاہد ملک اور مناہل بیگم سے ملنے کی آئی تو اس نے بہت کٹھن مرطے سے گزرتے ہوئے آنسو ضبط کئے

اور زبردستی مسکراتے ہوئے اپنے "ماموں" کے گلے لگ گئی۔

ان کی خوشبو کو اس نے بے تحاشا مس کیا تھا۔

"کیسا ہے میرا پیارا بچہ"

زاہد ملک نے پیار سے اسے تھپکتے ہوئے اپنے سامنے کیا

جواب مناہل بیگم کو دیکھ رہی تھی بنا ان کے سوال کا جواب دیے وہ اپنی "پھوپھو" کے گلے لگ گئی۔

بہت سکون ملا تھا ان کے گلے لگ کر.. کتنا ترپا تھا

سبب اپنے خونی رشتوں سے ملنے کیلئے۔

"پھوپھو مت روئیں ناں اور ماموں آپکا بچہ اب بالکل

ٹھیک ہے کیونکہ آپ یہاں موجود ہو۔

اب میں آپ لوگوں کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔"

دانی نے ضدی لہجے میں بتایا۔

"ارے دانی بیٹے تم ہمیں روز کچھ نہ کچھ بنا کے کھلاتی

رہو ناں تو پھر ہم یہیں ڈیرہ لگا لیں گے۔"

ہارون ملک کے کہنے پر سب ہنس دیے۔

دانی ان کی بات پر کھل کے مسکرائی۔

اچانک اس کی نظر ذوالنون پر پڑی جو ایک طرف

خاموشی سے کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"ارے یہ تو "لمبا گو..."

دانی کی آواز پر سب خاموش ہو گئے اور دانی کی زبان

کو خود بریک لگ گیا۔ ماحول میں ایک دفعہ پھر

سناٹا چھا گیا تھا جسے ذونی کی آواز

نے توڑا تھا۔

"چلیں بھئی ناشتہ ٹھنڈا ہو جائے گا تب کریں گے کیا۔"

ذوالنون ہولے سے کہتے صائحہ بیگم کی طرف آیا

اور پیار سے ان کے گرد بازو پھیلائے -
سب مسکرا دیئے مگر اب کی ہنسی اور پہلے کی ہنسی
میں فرق تھا -

قندیل یونی سے گھر پہنچی تو اماں کے بتانے پر پتا چلا
کہ ابو سو رہے ہیں - سجاد کی طبیعت خراب ہونے پر
تینوں بھائیوں کو انکی اکیڈمیز سے
چھٹی کروائی -

دانیال کو اپنے ساتھ لیا اور اُس آدمی کی گاڑی میں
بیٹھ کر ہسپتال چلی گئی -
ارحم اور آفان کو گھر بھیج دیا کیونکہ قندیل اور کومل
گھر پر اکیلی تھیں -

اماں گریٹا کی طبیعت کیسی ہے - "

قندیل نے بیگ لاؤنج میں رکھا اور ہلکی آواز میں کومل کے بارے میں استفسار کیا -
"تھوڑا بہت فرق ہے زیادہ نہیں.... بخار منحوس مارا
پھر سے چڑھ گیا ہے -

کیا کروں قندیل کہیں سکون نہیں ملتا دو سال ہو گئے
ہیں کوئل کو بیمار ہوئے اتنے ڈاکٹروں سے
علاج کروا چکے پر بجائے ٹھیک ہونے کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہوتی جا رہی اور خدا نخواستہ
کل کلاں

کو اگر تمہارے ابو، انہیں کچھ ہو گیا تو
ہم کدھر جائیں گے - "

زینہ بیگم نے اپنی سسکیاں دباتے قندیل کا ہاتھ تھامے
کہا - قندیل نے آنکھوں میں آنسو لیے زینہ کو
گلے لگایا اور ان کی پیٹھ تھپکنے لگی -

شادی کے دن نزدیک آرہے تھے تو بھائیوں پر ذمہ داری
بڑھ گئی تھی اس لیے آج حیدر گھر پر ہی تھا۔
حیدر اور ردوان دونوں صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جب حیدر کی نظر اندر آتی اباسہ پر پڑی۔
ردوان نے بھی اسی سمت دیکھا۔
"لو بھی آگئی فساد کی جڑ"

حیدر نے ردوان کے کان میں پھونک ماری۔ اباسہ کو حمہ سے کام تھا اس سلسلے میں وہ ادھر

آئی تھی۔

قرب بیٹھی حمنے نے اس بات پر چونک کر سر اٹھایا۔

حیدر اور ردوان کو گھر پر دیکھ کر اباسہ نے بیزار

سی شکل بنائی اور حمنے کے قریب آئی۔

السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟

اباسہ نے میٹھے لہجے میں کہا۔

وعلیکم السلام میں ٹھیک تم بتاؤ؟؟

"حمنے باجی آپ کے سامنے ہی کئی

تو کھڑی ہے اسے کچھ نہیں ہوتا یہ دوسروں کا خون چوس کر انہیں زندہ لاش بنا دیتی اور خود
چنگی بھلی پھرتی ہے۔"

ردوان نے اباسہ کے کچھ بولے سے پہلے ہی اس پر طنز کیا۔

"مانو بھابو یہ ملک کے مشہور مستری اور پاکستانی عوام کے قاتل آج اکٹھے بیٹھے ہیں.. خیریت؟؟"

حمنے کا اباسہ کی بات پر قہقہہ بلند ہوا۔

حیدر ایک انجنیئر تھا اسی وجہ سے اباسہ اسے

مستری کہتی تھی۔

"ردوان قاتل کیسے ہو گیا بھئی۔"

حمہ نے ہنسی روکنے ہوئے پوچھا۔

"ارے یہ دو نمبری سرجن کے ہاتھوں ہماری بیمار عوام کیسے بچ سکتی ہے جسے ابھی تک یہ نہیں پتا کہ تمہارے میٹر سے بخار کیسے چیک کیا جاتا ہے۔" اباسہ نے بھی حساب برابر کیا۔

"اوہ ہیلو کزن صاحبہ اب چیک کرنے آتا ہے اسے اور میرے

بھائی کے بارے میں کوئی فضول بات نہیں کرنی۔"

حیدر نے زرا غصیلہ لہجہ اپنایا جبکہ ردوان ہونٹوں کو باہر نکال کر معصوم بنے نقلی آنسو صاف کرنے لگا۔

"اچھا... تمہارے بھائی کو تو فضول بولنے کا قانونی حق ملا ہوا ہے ناں۔"

میرے بھائی نے ایسا بھی کیا کہہ دیا جو تم اس طرح سے ری ایکٹ کر رہی۔ سچ ہی تو کہہ رہا ہے وہ۔"

حیدر نے ردوان کو گلے لگاتے کہا جو ابھی بھی معصوم بننے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

"تو جو میں نے تمہارے چہیتے کے بارے میں کہا وہ بھی بالکل سچ ہے اور اگر اتنا ہی سچا ہے

ناں تمہارا بھائی تو اس کا نام "سچ بولنے والی مشین" ہی رکھ لو۔"

"تم کیا ہر وقت جنگلیوں کی طرح لڑنے لگ جاتی ہو"

ردوان نے حیدر سے

لڑتی اباسہ سے کہا۔

"مسٹر سٹریل میرے نام کا مطلب شیرینی ہے

اور شیرنیوں کے کام سے تو

تم واقف ہو اب میں جنگلیوں کی طرح

لڑوں بھی نا لڑتا تو میری

خوبی ہے"

وہ کہاں کسی کو چھوڑتی تھی۔

اس کی بات پر حیدر اور ردوان نے ایک دوسرے کی طرف

دیکھا اور زور زور سے پاگلوں کی طرح ہنسنے لگے

"تم شیرینی..."

ردوان اتنا کہہ کر پھر ہنسنے لگ گیا۔

میں نا کہتا تھا یہ ہماری نسل کی ہے ہی نہیں.. یہ تو

شیرینی ہے۔"

حیدر نے بھی ہنسنے کے درمیان اسے چھیرا تھا۔

"بھائی یار یہ مجھے تو کہیں سے بھی شیرینی نہی لگتی

یہ وہ پنجابی میں کہتے ناں "کھوتی" وہ لگتی مجھے
اور کھوتی بھی عام نہیں خالص "جنگلی کھوتی"۔
حیدر اور ردوان ہنس رہے تھے۔ بجائے انہیں ٹوکنے کے
حمہ خاموشی سے

لائیو شو دیکھ رہی تھی جو کسی ملک کے تھیٹر
نے بھی کبھی نہیں دیکھایا ہو گا۔

حیدر اور ردوان کو ہنستے دیکھ اباسہ کا غصے سے برا حال ہو گیا۔
شدید غصے سے اسکی آنکھیں نم ہو گئیں۔
"مانو بھاؤ چلیں آپکے کمرے میں چلتے ہیں ایسے بد لحاظ
لوگوں کے پاس بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں"
حمہ سر ہلاتے چارپائی سے اٹھ گئی۔

اباسہ نے اندر داخل ہوتے اسحاق اور علی چوہدری کو دیکھا تو فوراً "چارپائی پر بیٹھ کر رونے لگی۔
حیدر اور ردوان اسکی حرکت پر بھونچکا گئے۔ حمہ بھی عیش عیش کر اٹھی مگر ابھی
تو موقع ملا تھا ردوان سے بدلہ لینے کا اس لیے وہ بھی
اپنی پیاری سی "نند" کا ساتھ دینا چاہتی تھی

تاکہ ان لڑکوں کو بھی لڑکیوں کی طاقت کا پتا چلے۔

"اباسہ میری جان چپ کر جاؤ اور کتنے قیمتی

آنسو بہاؤ گی۔ تم جانتی ہوناں میں تمہیں اس طرح

روتے نہیں دیکھ سکتی۔"

دونوں لڑکیوں کی پشت ان کی طرف تھی۔

"کیا ہوا ہے اباسہ کو؟"

اسحاق چوہدری اور علی دونوں وہاں پہنچ گئے۔

"سنایا ابو"

اباسہ روتے ہوئے اسحاق صاحب کے پاس آئی۔ اسحاق چوہدری نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"کیا شرارت کی ہے تم دونوں نے اس کے ساتھ؟"

اب کی بار علی چوہدری نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"چلچویہ خود اب میس... آں ہاں میرا مطلب کہ

میس اباسہ اب خود معصوم بن رہی ہم شریفوں کو پھنسا کے۔"

جہاں لوگوں کی معصومیت ختم ہوتی

تھی وہاں

سے ردوان کی دو نمبر معصومیت شروع ہوتی تھی۔ اب بھی اس نے کمال اداکاری دکھاتے اپنی

معصومیت

کے جلوے دکھانے چاہے مگر

صد افسوس!

سامنے "ابو جان" تھے۔

"بتایا ابو ان دونوں نے مجھے "جنگلی کھوتی" کہا ہے۔"

اباسہ پھر سے رونے کا ڈرامہ کرنے لگی۔

"کیا یہ سچ بول رہی ہے؟"

"میں نے کہا تمہانا فساد کی جڑ ہے اب دیکھنا کیسے ہماری مٹی پلٹت ہوئی"

حیدر نے سر نیچے جھکائے دکھی ہوتے ہوئے

ردوان سے کہا۔

"ابو یہ بھی تو ہمیں..."

"ہاں یا ناں"

انہوں نے بات پوری ہی نہیں ہونے دی۔

"ابو جان یہ ردوان نے کہا تمہا میں نے نہیں"

حیدر نے اپنی جان بچائی پیار ایک طرف پر ابو کی مار

ہر چیز پہ بھاری تھی۔

"ابو جان بھائی نے پہلے اور اب بھی اسے "فساد کی جڑ"
بولا تھا انہیں بھی پکڑیں۔"

ردوان نے بھی غدار ہونے کا ثبوت دے دیا۔

"دونوں کو پکڑنا ہوں میرے کمرے میں پہنچو۔"

"ابو جان دیکھیں ردوان نے کیسا منہ بنایا ہوا ہے۔"

دونوں منہ کے زاویے بگاڑتے جا رہے تھے جب حمزہ نے

بھی بڑی بہن ہونے کا فریضہ انجام دیا۔

کچھ بھی سنے بغیر دونوں تیزی سے کمرے کی طرف بھاگے اس ڈر سے کہ جو تھوڑی عزت رہ
گئی تھی اس کا بھی کچھ مرنہ بن جائے۔

"اباسہ تمہاری سزا ہے کہ تمہیں پورا ہفتہ مریضوں والا

کھانا دیا جائے گا۔ اگر لڑکوں کے سامنے ڈانٹ نہیں

پڑتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں سزا

نہیں ملے گی۔

تمہیں اچھے سے جانتا ہوں میں۔"

علی چوہدری نے اب اباسہ کو جھڑکا۔

"اور حممنہ نے آپکی ایکٹنگ کمال تھی اسی خوشی
میں آپکو کھانے میں اباسہ کا ساتھ دینا ہو گا۔"
اسحاق چوہدری نے مسکراتے ہوئے دونوں کے سروں پہ
چپت لگائی اور علی چوہدری سے باتیں کرتے
اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔ پیچھے وہ منہ لٹکائے حممنہ
کے کمرے کی طرف بڑھیں۔

ذوالنون رات کے کھانے کے بعد باہر سڑک پہ شہیر کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا اور ساتھ
باتوں میں مشغول تھا۔
"بھائی آپ کیوں نہیں آئے اتنے سال۔ آپکو معلوم ہے ہم
سب نے آپکو کتنا یاد کیا۔
"کیا آپکو اپنے ملک سے محبت نہیں ہے؟
یہ تو آپکا اپنا ملک، آپکی اپنی زمین ہے۔
پھر کیوں پرائے ملک جا کر رہنا اور زندگی کے
پندرہ سال آپ نے ادھر گزارے کیا وہ حسین لمحات یاد نہیں آتے؟؟
شہیر کی بات پر اس نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

"اپنے ملک، اپنی زمین سے کے محبت نہیں
ہوتی یار۔

پاکستان کا نام لیتا ہوں تو دل میں محبت
کی پھوار پھوٹی اور سوچتا کہ میری قومیت ایسے ملک سے ہے جسے سب دشمن ملک تباہ کرنے
پر ہیں مگر

آج بھی کوئی اس ملک کی بنیادیں نہیں ہلا سکا۔

کیونکہ اس ملک کی بقا کیلئے بہت سے عظیم لوگوں نے قربانیاں دی ہیں اور بہت سے اپنی
جان کے نذرانے

پیش کر کے "شہادت" کا رتبہ حاصل کرتے اور یہ
سلسلہ ازل تک چلتا رہے گا۔

مجھے تو یہاں کے لوگوں سے وحشت ہوتی ہے میں اس عظیم ملک میں موجود انسان جنہیں انسان
کہنا "انسانیت"

کی توہین ہے ان سے محبت نہیں کرتا

کہتے ہیں ہر کوئی انسان ایک جیسا نہیں ہوتا پر

ہمیں کب ملیں گے ایسے لوگ جو سچے اور منافق نہ ہوں

تمہیں آج ایک بات بتاؤں مجھے میرے ملک

پاکستان کے لوگوں سے خوف محسوس ہوتا ہے
اتنا کہ میں اپنی زندگی کے بائیس سالوں میں بھی وہ نکال نہیں پایا۔"
ذوالنون خاموش ہوا تو ہر طرف خاموشی چھا گئی ایسی خاموشی جو دلوں کو چیر دے۔

مہتاب ولا میں آج عید کا سماں تھا۔ سات سال بعد پورا خاندان اکٹھا ہوا تھا۔

"اولے دانی کچھ حیا ہے کہ نہیں تمہاری خالہ جانی

آئی ہیں اور تم ہو کہ کچھ کھانے پینے کا

پوچھنے کی بجائے اپنے چلچو اور ماموں کے گھٹنے

کے ساتھ لگ کر بیٹھی ہو۔"

امرہ نے دانی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"خالہ جانی آپ کا پیٹ ہے یا کنواں... اور آپ تو آئے دن

ادھر چلتی پھرتی نظر آتی ہیں خود بنائیں اور کھائیں

ساتھ ہم غریبوں کو بھی کھلائیں۔"

ہلکا آسمانی کرتا، ساتھ بلیک ٹراؤزر پہنے سر پہ

آسمانی ہی سکارف لپیٹے دانی ہارون اور زاہد ملک کے درمیان صوفے پر بیٹھی تھی۔

"دیکھ لیں زاہد بھائی آپکی یہ بھانجی کتنی بے

مروت ہے

ذرا جو میری شان میں دو لفظ عزت کے

بول دے۔"

انہوں نے جلتے ہوئے کہا۔

"اسکی بات بھی تو سو فیصد درست ہے کہ آئے دن

تو تم "مہتاب ولا"

گھسی رہتی ہو اب جو بندی روز ہی کسی کے

گھر آئے جائے وہ مہمان تھوڑی نا ہوتی ہے۔"

ہارون ملک نے انہیں چھیرنا ضروری سمجھا ان کے سارے بہن بھائیوں اور کزنز میں سب سے
چھوٹی "امرہ" ہی تھی۔

"ہارون بھائی تسی تے چپ ہی رہو (ہارون بھائی آپ تو چپ ہی رہیں)

آپ لوگوں نے تو گھسنا نہیں پھر میں بھی نہ آؤں... سلمان ولا اور مہتاب ولا کی رونقیں میرے

دم سے ہی

تو ہیں۔"

امرہ نے اتراتے ہوئے کہا۔

"واہ واہ پھوپھو جانی کیا لطیفہ سنایا ہے آپ نے۔"

ایسے دو تین اور سنائیں ناں۔"

ریاض ملک کی بڑی بیٹی "آصفہ" نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

"میں زبیدہ خالہ کے پاس جا رہی ہوں تم "ٹڈیوں"

کو تو بعد میں پوچھتی ہوں۔"

یہ کہتے وہ صوفے سے اٹھ کر چلی گئیں۔ پیچھے سب ہنس دیئے تھے۔

سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کوئی دکھی بات یاد آ جاتی تو سب کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں کوئی

ایک آدھ چمکلا چھوڑتا تو موڈ پھر سے خوشگوار ہو جاتا۔

اسی طرح ہنسی مزاح کرتے کھانا کھایا گیا اور سب کیلئے لائے گئے تحائف بانٹے گئے۔

اس سب کے دوران ذوالنون

بالکل خاموش تھا اسے عجیب سی وحشت ہو رہی تھی

اس ماحول سے.. کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

وہ تیزی سے اٹھا اور جس کمرے میں ٹھہرا تھا اسکی طرف رخ کیا۔

زاہد ملک اور ہارون ملک گھر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

منابل بیگم نے ذونی کو جاتے دیکھا تو خاموشی سے وہ
بھی اس کے پیچھے ہی چلی گئیں۔

سفید رنگ کے شلوار قمیض میں الجھے بالوں اور بکھری حالت میں وہ بیڈ پہ آڑھا ترشا لیٹا ہوا تھا۔
"ذونی"

ماں کی پکار پر وہ جھٹ سے سیدھا ہوا جو دروازے
پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں۔

"مما آئیں باہر کیوں کھڑی ہیں۔"

"بیٹا تم وہاں سب کے درمیان سے اٹھ کر آ گئے۔"

کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے؟

منابل بیگم نے افسردہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

ذوالنون نے ماں کا چہرہ دیکھا جس پر اس وقت

اپنی اولاد کیلئے پریشانی صاف دیکھی

جا سکتی تھی۔

"نہیں تو مما بس ایسے ہی لیٹنے کا دل کر رہا تھا تو

میں کمرے میں آ گیا۔"

"ذونی ملنے نہیں جانا اسے؟"

منابل بیگم کے اچانک کیے گئے سوال نے اسے
چونکا دیا تھا۔

"نہیں بالکل نہیں... مجھے نہیں ملنا اس سے... وہ بہت
بری ہے میں نہیں جاؤں گا کہیں بھی۔"

"سات سال سے نہیں لے اسے ذوق میری خاطر
اس سے مل آؤ اور بتانا کہ تمہارے بغیر واقعی
زندگی بے رونق
ہے۔"

انہوں نے آنکھوں میں نمی لے دونوں ہاتھوں سے اس کا
چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"مجھے یہاں رہنا ہی نہیں ہے... مجھے یہاں سے

جانا ہے... ماما وہ بہت تنگ کرتی مجھے.. ووو.. وہ مجھے آوازیں دیتی
ہے مجھے ان آوازوں سے بہت خوف آتا۔

مجھے یہاں نیند نہیں آتی اوو.. اور وہ روتی بھی ہے..
چچ..

چینخیں بھی مارتی ہے۔

"مم مم میں نہیں رہ سکتا یہاں... مم
میں کیا کروں.. آپکو دکھی بھی نہیں کر سکتا ناں؟
آآ.. آپ پلیز کہیں دور لے جائیں مجھے۔

یہاں "نینی" ہے میری "نینی" وو.. وہ
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجھے بلا رہی ہے۔"

ذوالنون ملک کی حالت آج پھر سات سال پہلے والی تھی جب اسکی "نینی" اس سے بچھڑی
تھی۔

منابل بیگم خود اپنا ضبط کھو بیٹھی تھیں۔

دوسری طرف زاہد ملک قبرستان میں داخل ہوئے
ہاتھوں میں پھولوں کا شاپر پکڑے وہ ایک قبر کے سامنے رکے جسکے کتبے پر لکھے نام کو انہوں
نے والہانہ

انداز میں چھوا۔

"زرنین ملک"

نام کو سرگوشی کے انداز میں ادا کرتے وہ نیچے
بیٹھتے چلے گئے۔

"میری پیاری سہیلی"

آنسو تواتر انکی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور وہ ہلکی آواز میں قبر پر ہاتھ پھیرے زمین کے اندر
ابدی نیند سوئے
وجود سے باتیں کرنے لگے۔

مہتاب ملک کے چار بیٹے عباس ملک، ارمان، ہارون اور ذیشان ملک تھے اور دو بیٹیاں مناہل اور
زینت تھیں۔

عباس ملک کی شادی ان کی خالہ زاد "صالحہ" سے ہوئی تھی اور اسی طرح مناہل بیگم اپنی خالہ
رحمانہ بیگم کی بہو بنیں۔

مناہل بیگم رخصت ہو کر لاہور آگئی تھیں۔

زاہد ملک سے بڑے ریاض ملک تھے پھر دو بہنیں "صالحہ" اور "امرہ" تھیں۔

دونوں خاندانوں کا پیار مثالی تھا۔

کوئی بھی دعوت ہوتی یا کسی بھی طرح کی کوئی خوشی کا موقع ہوتا تو پورا خاندان یا تو "مہتاب ولا"
میں

اکٹھا ہوتا یا لاہور میں

"سلمان ولا" میں اکٹھا ہوتا۔

پھر خوب ہلا گلا ہوتا۔

خاندان کے سب سے بڑے لڑکے
"ایان ملک" اور "ذوالنون ملک" تھے

جو اپنے بڑے ہونے کا
رعب جھاڑتے رہتے تھے۔

گھر کی بچیاں کہاں پیچھے رہتی تھیں۔

وہ تو اس خاندان کی رونقیں تھیں اور سبھی بے
حد لاڈلی تھیں۔

یہاں کسی لڑکے نے شرارت کی وہی ماموں کو شکایت
کر دی یا تایا جان کے پاس روندی صورتیں لے
جاتیں اور

خوب شکایتیں لگاتیں۔

انکی لیڈر دانیل ملک عرف "دانی" اور زرین ملک عرف "نینی" تھی۔

ریحانہ بیگم اور سلمان ملک جج کی ادائیگی کیلئے

جارہے تھے اس لیے پورا خاندان

"سلمان والا" میں اکٹھا

ہوا تھا۔

قرآن خوانی کروائی گئی اور محلے کے لوگوں کو بھی
مدعو کیا گیا تھا۔

سبھی مہمان جا چکے تھے

اب گھر کے افراد ہی بیٹھے تھے اور خود کھانا کھانے لگے تھے۔
"اسے دیکھو کھا کھا کے حلوہ کدو بن گئی ہے۔"

یہ میرے ساتھ کھڑی ہو گئی ناں تو قسم سے تیرے
بھائی کی شخصیت کہیں غائب ہی
ہو جائے گی۔"

زرین اور دانیل بریانی سے بھری پلیٹیں لے کر چٹائی
پر آکر بیٹھی ہی تھیں کہ ذونی اور ایان
وہاں چلے آئے۔

نینی نے اسکی بات پہ دھیان ہی نہیں دیا اور چاولوں سے بھرا چمچا منہ میں ڈالا۔
"کچھ بھائیوں کا بھی خیال کر لو... خود ٹھونسنے کی پڑ گئی ہے "نانی کشورا" کو۔"

ذوالنون نے اس کا نام بگاڑتے بریانی کی پلیٹ اچک
لی اور ایان نے دانی کی پلیٹ اٹھالی۔

"دانی تم نے کبھی "مبے گوریلے" دیکھے ہیں بالکل کالے

لیکن سوکھی تیلی جیسے... یار یہ نئی ورائٹی
میں آئے

ہیں نہیں دیکھے تو ان کو دیکھ لو ہو ہو
ایسی ہی شکل انکی بھی۔"

نینی نے ذونی اور ایان کی طرف اشارہ کرتے بتایا۔

"ہاں یار اور ان کے بارے میں یہ بھی سنا ہے

کہ انہیں دوسروں کے کھانے پینے کی چیزیں

چرانے کی بہت

ہی خطرناک بیماری ہے.. اپنی چیز کھا کر بھی انکی نیت دوسروں کے کھانے پر ہوتی۔"

دانی نے بھی ان دونوں کو جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

"جتنا مرضی ذلیل کر لو بریانی تو ہم تم دونوں کے حصے والی ہی کھائیں گے۔"

ایان یہ کہتے چٹائی پہ ذونی کیساتھ بیٹھ گیا۔

"ذونی بھائی میری بریانی کی پلیٹ دے دیں

میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔"

دس سالہ نینی اب شرارتی فارم میں آ گئی تھی۔

"نانی کشورا"

میرے سے کلمے کھانے تم نے.. چپ چاپ اپنی
دوسری پلیٹ لے آؤ۔"

بھائی پلیز دے دو آپ ایسے کیوں کر رہے ہو؟"
نینی نے انتہائی بری سی معصوم شکل بناتے اس سے استفسار کیا۔
"ذوئی کیا مسئلہ ہے؟

بہت دیر سے بولے جا رہے ہو
تم لوگ۔"

زاہد ملک نے کھانے سے ہاتھ روکنے ہوئے کہا۔
سب بڑے ان سے کچھ فاصلے پر چٹائی پر بیٹھے
کھانا کھا رہے تھے۔

"ماموں ذوئی اور ایان نے ہم سے ہمارے کھانے کی
پلیٹیں چھین لیں اور ہمیں کہہ رہے کہ آپ
لوگ دوسری

لے آؤ ہم تو یہی کھائیں گے۔"

دانی کی بات پر زاہد ملک نے غصے سے ذوئی اور ایان کو گھورا اور تیزی سے اٹھ کر اپنے جوتے
کی طرف

بڑھے۔

ان کا ارادہ جانتے ہوئے ذونی اور ایان پلیٹوں سمیت اپنی جان بچانے کیلئے بھاگے۔

"بابا"

ذوالنون پیار بھرے لہجے میں کہتے زاہد ملک کے
کمرے میں داخل ہوا جو صوفے پر
بیٹھے موبائل پہ مصروف تھے۔

"بتاؤ کیا مسئلہ ہوا اب تمہارے ساتھ؟"

زاہد ملک نے سنجیدگی سے بنا سرائٹھائے سوال کیا
کیونکہ ذوالنون کا شیریں لہجہ ان سے ہضم
نہیں ہو رہا تھا۔

"بابا یار وہ "نانی کشورا" ناراض ہو گئی ہے
مجھ سے.. کہتی اب مجھ سے بات نہ کرنا۔

وہ کچھ کہے نہ پر اس کے ساتھ جو "دانی"

جان کھانی

وہ نہیں پیچھا چھوڑتی... ورغلائی رہتی

میرے خلاف "

ذوالنون مسکین صورت بنائے سارا الزام دین

پر ڈال گیا۔

"تو بیٹا جی آپ کونسا دودھ کے

دھلے ہو.. سارے اٹے کا زامے تو تم انجام دیتے ہو۔"

"بابا اب جو بھی ہے آپ ناراضگی دور

کروائیں مجھے اچھا فیل نہیں ہو رہا۔"

"تو بیٹا جی جب اسے اتنا زچ کرتے اور بجائے اسے

صحیح نام سے پکارنے کہ اسکا نام بگاڑتے

تو وہ ناراض ہی ہوگی راضی تو ہونے سے رہی"

"بابا یار کر دیں ناں میری ہیلپ... میرا دل بہت

اداس ہے.. وہ جب ناراض ہوتی تو سب کچھ عجیب

سا لگتا.. اور جو میں اسے تنگ کرتا

وہ بھی میرا پیار ہی ہے اب میں اپنی چھوٹی بہن سے

نہیں لڑوں گا تو کیا ہمسائیوں کی لڑکی کو

تنگ کروں۔"

ذوالنون نے سخت جھنجھلاتے ہوئے زاہد ملک سے کہا
جو اس کے بات کرنے کے انداز پر
کھل کے ہنسے۔

"ذوئی بیٹے تم جانتے ہو جو لوگ ہمارے دل کے قریب ہوتے، ہم انہیں جتنا چاہے تنگ کر
لیں

مگر کسی اجنبی کو وہ حق نہیں دیتے جو ہم اس پر
جتاتے اور نہ ہی یہ حق دیتے کہ وہ ہماری جان
سے عزیز ہستی کو تنگ کرے...

جتنا تم "نینی" سے لڑتے اور تنگ کرتے میں
جانتا وہ تمہاری محبت ہے اس کیلئے، اور زرا جو
وہ تم سے ناراض ہو جائے تو جھٹ میرے پاس آ جاتے
یا اپنی ماما کا سر کھاتے مگر اسے
تنگ کرنے سے بالکل
باز نہیں آتے۔

"نینی" کو ناراض کر کے جو تمہیں پریشانی ہوتی
ناں یہ تمہاری اپنی چھوٹی بہن کیلئے فکر کو

ظاہر کرتی ہے۔

میں تمہاری صلح اس لیے کروا دیتا ہوں کہ تم نے
شرارتوں کے علاوہ کبھی اپنی ذمہ داریوں
میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جو ایک
بھائی کی ہوتی ہیں۔

اور میری پیاری سہیلی تو ویلے ہی اپنے بھائی سے بہت اچھے ہے دیکھنا وہ بھی کہاں سکون سے
بیٹھی ہو گی تمہارے ساتھ لڑے بغیر نیند اسے بھی نہیں آتی۔"
زاہد ملک پیار بھرے لہجے میں اسے اپنے پاس بٹھائے سمجھا رہے تھے۔
جو آنکھوں میں محبت سموئے اپنے "بابا" کی خوبصورت
باتیں سن رہا تھا۔

"ذوئی بیٹا ایک بات بتاؤں جو رشتے ہمارے دل کے
قرب ہوئے ناں انکی نادانیاں دل خود بخود
معاف کر دیتا۔

چاہے انکی باتیں کتنی ہی تحقیر آمیز ہوں جب ہم
ان سے راضی ہو جاتے تو وہ باتیں بھی
فرا موش کر دیتے ہیں۔"

"اب تم دونوں کو دیکھ لو اتنا لڑتے ہو مگر ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے۔"

اللہ نے یہی تو خاصیت رکھی ہے بہن بھائی کے رشتے میں لاکھ خفا سہی پر بھائی کی تکلیف بہن برداشت نہیں کرتی اور اگر بہن کی عزت پہ کوئی حرف آتا تو بھائی مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔"

"میری ان سب باتوں کا مقصد یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے پاس موجود نہیں ہوتا تمہاری ماما اور تمہاری بہن کا سہارا تمہاری ذات ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ میرا بیٹا میری غیر موجودگی میں اپنے بیٹے اور بڑا بھائی ہونے کا فرض بہت بہترین انجام دے گا۔"

زاہد ملک نے پر عزم لہجے میں کہتے اسکی پیشانی پہ بوسہ دیا تھا۔
"چلو بھئی مناتے ہیں اب میری سہیلی کو۔"

ذوالنون کھلے چہرے کیساتھ زاہد ملک کے ساتھ نینی کے کمرے کی طرف بڑھا۔

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ سلمان ملک اور ریحانہ بیگم کی شام چار بجے کی فلائٹ تھی۔ انہیں لاہور ایئر پورٹ پر چھوڑ کر باقی فیملی کے افراد بھی اپنے گھروں کی طرف نکل پڑے۔ گھر پر اب ریاض ملک اور زاہد ملک کی فیملی تھی۔ منابل بیگم نینی کیساتھ بیڈ پر لیٹی باتیں کر رہی تھیں۔

"مما ذونی آج نہیں منانے آئے گا؟

اتنا ٹائم ہو گیا... اندھیرا بھی کافی ہو گیا ہے..

وہ اب تک نہیں آیا۔"

نینی معصومیت سے کہتی آخر میں روہانسی ہو گئی۔

"چھوڑو اس بد تمیز کو اتنا میری نینی کو تنگ کرتا ہے۔

ناراض ہی رہو اس سے

پھر اسے تمہاری قدر ہو گی۔"

منابل بیگم نے غصے سے کہا۔

نینی خاموش سی دکھی صورت بنائے اپنی مما کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا بھئی ایکدم اتنی خاموشی کیوں چھا گئی۔"

"مما"

نینی انہیں پکارتی مزید ماں کے قریب کھسکی۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مما یہ قدر کیا ہوتی ہے؟"

نینی نے پھر سے معصومانہ سوال داغا۔

"چندا قدر ہوتی ہے کہ ایک انسان آپکی کتنی عزت کرتا، آپکے ساتھ کتنے ادب اور احترام سے

پیش

آتا، اور یہ بھی کہ اپنے غصے یا اپنے جذبات میں،

جذبات سمجھتی ہوناں جو ہماری فیلینگز ہوتی۔

غصے کی رونے کی ہنسنے کی جیسے بھی جذبات ہو

وہ دل سے آپکی قدر کرے۔

تمہاری قدر کا انحصار اسکے جذبات پر ڈیپنڈ نہیں کرنا چاہیے۔"

منابل بیگم نے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتے نرمی سے بتایا۔

"ایک بات اور جو انسان تمہاری دل

سے قدر کرتا وہ کبھی تمہیں دنیا

کے سامنے

ذلیل نہیں کرے گا۔"

"مما پھر تو ذونی بھائی میری قدر کرتے ہیں۔"

نینی نے خوش ہوتے بتایا۔

"اچھا بھلا وہ کیسے؟"

"مما انہوں نے کبھی مجھے دوسروں کے سامنے

نہیں ڈانٹا اور میری اتنی کٹیہ بھی

کرتے ہیں... بس ایان بھائی کیساتھ مل کر تنگ کرتے ہیں... او... اور انہوں نے مجھے کبھی مارا بھی نہیں

میری فرینڈز کے بھائی تو انہیں مار بھی دیتے

بٹ ذونی بھائی تو بہت اچھے ہیں۔

اور مما آپکو پتا جب ہم سکول جاتے اتنا لڑتے

پر بھائی میرا بیگ اپنے کندھے پر لٹکا کر جاتے کیونکہ وہ بہت بھاری ہوتا ناں۔

اور ہاں جب میں بھائی ساتھ کہیں جاؤں ناں اور ہمیں کہیں رکنا پڑے تو وہ مجھے اکیلے چھوڑ کر نہیں

جاتے اپنے ساتھ لیکر جاتے.. اس جگہ

پہنچ کر مجھے اپنے ساتھ لگا لیتے اور اپنا اتنا بڑا

بازو میرے شولٹر پر رکھ دیتے۔

پر مجھے برا نہیں لگتا پتا کیوں..

وہاں کچھ لوگ بہت عجیب طرح سے دیکھتے

ان سے ڈر لگتا مگر بھائی ساتھ ہوتے ناں تو ایسے لگتا مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔"

نینی اپنے الفاظ میں بھائی کیلئے گرمی محبت یلے مناہل بیگم کو بتا رہی تھی

جو مسکراتے ہوئے توجہ سے اسکی بات سن رہی تھیں۔

"اور ناں.."

اس سے پہلے نینی مزید بولتی دروازہ ناک کر کے

زاہد ملک اور ذونی کمرے میں

داخل ہوئے۔

نینی جھٹ سے اٹھی اور بھاگ کر ذونی کے گلے لگ گئی۔

اسکی حرکت پر باقی تینوں افراد کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"لمبے گونی مجھے منانے آئے ہوناں؟"

نینی نے دور ہٹتے ہوئے پوچھا۔

اسکے نام بگاڑنے پر ذونی کو تپ تو بہت چڑھی مگر

پھر بھی چہرے پر مسکراہٹ لائے اس نے سر ہاں

میں ہلانے پر اکتفا کیا۔

"چلو پھر جلدی سے معافی مانگو اور جیسے باقی سب مجھے "نینی" پکارتے آپ بھی پیار سے نینی بولو۔"

نینی نے شرارت سے کہتے اسے مزید تپایا۔

"بابا اب آپ دیکھ لیں۔"

میں اسکا کوئی ناجائز مطالبہ نہیں مانوں گا

اس سے کہیں شرافت سے مان جائے"

ذوالنون نے تپے ہوئے ہی جواب دیا۔

"تو اس نے کونسا ناجائز مطالبہ کیا ہے؟"

منابل بیگم نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

"مما معافی مانگنے تک تو ٹھیک ہے پر

"نانی کشورا" کو میں "نینی" نہیں بول سکتا

اور وہ بھی پیار سے.. نہیں

بالکل بھی نہیں۔"

اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے صاف انکار کیا۔

"بابا"

نینی نے جھنجھلاتے ہوئے زاہد ملک کو پکارا۔

"تم فکر نا کرو میری سہیلی.. اور تم پہلے معافی تو مانگو باقی کام ہم پھر بتاتے ہیں۔

وہ کہتے ہوئے نینی کو اپنی گود میں لیے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"مجھے معاف کر دو میری پیاری سسٹر... مجھ سے

صلح کر لو کیونکہ تم سے لڑے اور بات کیے

بغیر میرا گزارہ نہیں ہوتا۔"

ذوالنون نے دکھی آتما بنے یہ فقرات کہے جسے سن

کر نینی چمک اٹھی۔

"اب نینی بھی بولو ناں"

"یار میری بھی تھوڑی سی عزت رہنے دو اب کیا تم

میرے ساتھ اس طرح کا

سلوک کرو گی۔"

ذوالنون نے مسکین صورت بنانے کی بھرپور کوشش کی۔

"اچھا بس بس اب اتنی بھی روندی صورت بنانے کی ضرورت نہیں.. بہت اچھے سے جانتی ہوں

آپکو۔

پھر مانتے ہیں ناں کہ میری وجہ سے ہی اس

گھر میں رونق ہے۔"

نینی نے اتراتے ہوئے کہا۔

"اب بس کرو اتنی بھی خوش فہمیناں پالنے کی

ضرورت نہیں ہے۔"

"بھائی یہ خوش فہمی کیا ہوتی ہے؟"

"چلو جی اب اسکا سوالنامہ شروع ہو گیا

ہے... جب فارغ ہو گا تب بتا دوں گا

مجھے پڑھنا ہے اپنا۔"

ذوالنون جان چھڑانے والے انداز میں خدا حافظ

کہتا کمرے سے نکل گیا۔

پیچھے وہ تینوں اسکی اس ادا پر ہنس دیئے۔

وہ دو دن بعد یونیورسٹی گئی تھی۔ ہارون ملک اور انکی فیملی گھر پر ہی تھی۔

البتہ باقی فیملیز اپنے اپنے گھروں کو رخصت

ہو گئی تھیں۔

زاہد ملک مناہل بیگم اور ذوالنون کے بغیر ہی لاہور

واپس گئے کیونکہ مناہل بیگم مزید کچھ دن اپنی امی
اور بھائیوں ساتھ گزرانا چاہتی تھیں۔
کلاس میں داخل ہوتے ہی اسکی نظر اباسہ پر پوری
جو آج پھر سے اپنی اصل جگہ پر
موجود تھی۔

وہ ہونٹوں پہ مسکراہٹ لیے اسکی طرف بڑھی جس کے چہرے سے اسکے برے موڈ کا بخوبی اندازہ
لگایا جا سکتا تھا۔
"السلام علیکم"

دانی نے اسکے قریب آکر کہا اور جھٹ سے مصافحہ
کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔
اسے دیکھ کر اباسہ ایسے کھل اٹھی تھی جیسے دانی سے ملنا کوئی شاہی خزانہ ملنے کے مترادف ہو۔
سلام کا جواب دے کر چمکتے ہوئے اس نے دانی کا ہاتھ تھاما
"کیسی ہو؟"

دانی کے بیٹھتے ہی اس نے سوال کیا۔
"الحمد للہ۔ تم بتاؤ پانچ دن رہ گئے شادی میں۔
کب سے چھٹیوں کا ارادہ ہے؟"

دانی نے سرسری لہجہ رکھتے اسکی دکھتی رگ
پر ہاتھ رکھا۔

"تم اچھے سے جانتی ہو کہ مجھے چھٹیاں تو بہت دور کی بات گھر والوں کا بس چلے ناں تو ایک
چھٹی بھی نہیں کرنے دیں گے۔

تایا جان کا کہنا ہے کہ مہندی تک سب اپنے اپنے کالج یونی جائیں گے۔
بس بارات اور ولیمہ کی چھٹی منظور ہوئی۔

مکلاوے کے دن پھر سے یونی آنا ہے۔

ایسے بھلا دیکھا تم نے کبھی کہ لڑکی کے بھائی کی

شادی کیساتھ مانو بھابو جیسی بہن کی

شادی ہو اور وہ عین مہندی کے دن شرکت کرے۔

ہائے دانی میں نے سوچا تھا شادی سے ایک ہفتہ پہلے چھٹیاں کروں گی اور ایک ہفتہ بعد بھی
خوب مزے کروں گی

مگر ہائے میرے ابو جان اور تایا جان نے مل کر میرے نکلے نکلے چنے منے سپنوں پہ تیزاب گرا
دیا جوئے سرے

سے جہنم بھی نہیں لے سکتے۔"

اباسہ کی دہائیاں عروج پر تھیں۔

"ہاں اباسہ اب دیکھو جب میری امرتہ خالہ کی
شادی تھی تب میں نے پانچ دن پہلے اور چار
دن بعد میں چھٹیاں کی تمہیں.. ارے فرسٹ ایئر
کی تو بات ہے۔"

دانی نے مزید اسکے زخموں پہ نیک چھڑکا۔
اباسہ نے زور و شور سے رونے کا ڈرامہ کرتے اسکے
کندھے پر اپنا سر ٹکایا۔

"ارے اباسہ تم آج کس کا روگ لگا کے بیٹھی جو اتنا ماتم زدہ چہرہ دکھائی دے رہا؟"
ان سے اگلی قطار میں بیٹھی ناٹھ نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔ جسکا دوسروں کے معاملات میں
اپنی ٹانگ اڑانا پسندیدہ مشغلہ تھا۔
اباسہ اسکی بات پر جھٹ سے سیدھی ہوئی۔

"ویلے ناٹھ ذرا یہ بات اپنے دماغ میں امیج کرو کہ
ایک ٹانگ سے چلتی تم کیسی
دیکھو گی؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب صاف ہے کہ دوسروں کے معاملات میں اپنی ٹانگ نہیں پھنساتے ورنہ اگر کوئی

میرے جیسی ہوئی تو

ٹانگ ٹوٹنے کا خطرہ ہے اسی لیے کہا۔"

اباسہ نے اسے تپانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"اور ہاں اگر ٹانگیں اتنی ہی لمبی ہیں تو تھوڑی

تھوڑی کٹوا لو تاکہ دوسروں کی

باتوں میں پھنسیں ناں۔"

اس سے پہلے کہ ناٹھ اسے کوئی جواب دیتی

لیکچر شروع ہو گیا تھا اور سر اشفاق کلاس میں موجود تھے۔

"دانی جو میں نے تمہیں لانے کیلئے بولا تھا کیا تم لائی؟"

اباسہ نے رجسٹر پر یہ الفاظ گھسیٹے۔

"نہیں"

لائٹ پنک کلر کے سکارف میں نفاست سے نقاب کیے، ہم رنگ پرنٹڈ کرتے کیساتھ سفید ٹراؤزر

پہنے کندھوں سے سرکتی ہلکی براؤن شال درست کرتے اس نے بے بی پنک جوگرز میں مقید

اپنے پاؤں کو زور سے اباسہ کے پاؤں پر رکھتے بنا اسکی طرف دیکھے جواب دیا۔

"کمینی چھوڑ دے میرے بھائی کی شادی ہے اور میں نے ڈانس بھی کرنا ہے۔ میرا پاؤں ٹوٹ

گیا ناں تو میں نے تیرا منہ توڑ دینا۔"

اباسہ دھیمی آواز میں احتجاج کر رہی تھی۔

"اچھی بات ہے تیرا پاؤں ٹوٹ جائے گا پھر سوچو ٹوٹے پاؤں کیساتھ تم غضب کی لگو کی میری شیرنی۔"

دانی نے آہستہ آواز میں لیکچر پر سر ہلاتے اس سے کہا کیونکہ نقاب کی وجہ سے کوئی اسکے ہونٹوں کی حرکت نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اباسہ نے مشکل اپنا پاؤں اسکے پاؤں کے نیچے سے آزاد کروایا۔

"پتا نہیں بھوکڑ تم کتنا کھاتی ہو جو پہلوانوں جیسے ہاتھوں کیساتھ انکے جیسا زور بھی ہے۔" اس نے منہ بسورتے دانی سے کہا۔

لیکچر ختم ہونے میں صرف دس منٹ باقی تھے جب دروازے پر ہونے والی دستک پر پوری کلاس متوجہ

ہو گئی سبھی جانتے تھے کہ دروازے کے اس پار کون ہو گا۔

قندیل نے آہستہ سے دروازہ کھولا سب اسی کی جانب متوجہ تھے۔ اس نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

سرافاق کو شدید طیش نے گھیرا تھا۔

"قندیل جٹ اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے آپکی اپنی یونیورسٹی ہے جب چاہے آئیں جب چاہے جائیں۔"

سر اشفاق نے بھرپور طنز سے کام لیا تھا۔
اور قندیل کو باہر ہی کھڑے رہنے کا اشارہ کیا۔
لیکچر ختم ہونے پر وہ اس پر غصے بھری نظر ڈالنا نہیں بھولے تھے۔

تیسرے لیکچر میں دانی نے اباسہ اور قندیل کو ساتھ لیا اور سر اشفاق سے ملنے کی غرض سے سٹاف روم میں گئی۔

تیسرا لیکچر فری تھا سو وہ آسانی سے ان سے بات کر سکتی تھی۔

اتفاق سے روم میں صرف سر اشفاق ہی موجود تھے۔

"جی بچے کیا بات ہے آپ تینوں ادھر کیوں؟"

انہوں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"سر آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں امید ہے کہ آپ سمجھیں گے۔"

"جی بولے"

"سر ہماری سکینڈ سمسٹر کی کلاسز شروع ہوئے دو ہفتے گزر گئے اور ان دو ہفتوں میں مس

قندیل کی یونیورسٹی آنے کی روٹین ایک جیسی نہیں تھی۔

کبھی وہ بہت جلدی آتی کبھی تھوڑا لیٹ اور کبھی
بہت زیادہ لیٹ سر وہ آپکے سامنے اپنی صفائی میں
کچھ نہیں بولتی مگر آپ تو استاد ہیں
آپ کم از کم اس سے پوچھ تو سکتے ہیں ناں کہ وہ
کیوں ایسے کرتی بجائے اسکے کہ آپ اسے پوری
کلاس کے سامنے شرمندہ کرتے ہیں۔

معذرت خواہ ہوں سر اگر میری کسی بات سے آپکی دل آزاری ہوئی ہو لیکن سر مجھے محسوس ہوا
کہ یہ کہنا چاہیے اس لیے میں بولی ہوں۔"

دانیل نے بہت ہی نرم مگر سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے اپنی بات کو ادب کے دائرے میں رہتے
سمیٹا تھا۔

"س۔۔ سر میری چھوٹی سسٹر دو سال سے بیمار ہے اور

کچھ دن سے ابو جی کی طبیعت بھی خراب ہے۔

انہی کی پریشانی میں..."

انہوں نے سر جھکائے کھڑی قندیل کو دیکھا جس نے آج پہلی بار اپنی صفائی میں کچھ بولا تھا
مگر آنسوؤں

کا گولا حلق میں اٹکنے

کیوجہ سے وہ بات مکمل نہیں کر پائی۔

"آئم رئیلی سوری بچے مجھے واقعی شرمندگی محسوس
ہو رہی کہ میں نے کبھی آپ سے لیٹ آنے کی وجہ
کیوں نا پوچھی؟

خیر بچوں اس وقت میں مصروف ہوں ہم کل اس پر
تفصیلی بات کرتے۔"

انہوں نے پر سکون لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔
تینوں اثبات میں سر ہلاتی روم سے باہر آ گئیں۔
قذیل نے باہر نکلتے ہی بے اختیار دانیں کے گلے لگ گئی۔
"بہت شکریہ آپکا۔"

"ارے اپنا شکریہ اپنے پاس رکھو دوستوں میں شکریہ
نہیں چلتا اس کے بدلے پیسوں کی
چیز کھلانی پڑتی۔

اباسہ نے شرارت سے کہا۔

"تم تو سدا کی نیدی رہنا لیکر آئی ہو جو تم نے
لانے کو بولا تھا۔"

"یعنی تم قیمے کے بنے پراٹھے لائی ہو.. چلو جلدی چلتے
ہیں کلاس میں اور قنڈیل کو ہماری دوست بننے
کی خوشی میں پراٹھے کھلاتے ہیں۔
ویسے کتنے پراٹھے لائی ہو۔"

دانی کی گھوری پر اس نے جلدی سے چلتی زبان کو
بریک لگایا کیونکہ وہ فلحال اسکا ناراض ہونا
بالکل افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے وہ ہونٹوں
پر انگلی رکھے چپ چاپ اسکے ساتھ کلاس کی
طرف بڑھی۔

نینی آج اداس اداس سی تھی کیونکہ زاہد ملک اور
ہارون ملک اپنی فیملی کیساتھ مسقط واپس
جا رہے تھے۔

اپنے بابا کے جانے پر وہ ایسے ہی
اداس ہو جاتی تھی۔

وہ اپنے سارے سامان کا وزن پہلے ہی کروا چکے تھے۔

اب وہ سب سے گلے ملتے الوداع کہہ رہے تھے۔

نینی نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اپنے بابا کو

دیکھا جو اسے خدا حافظ کہنے کیلئے اس کے سامنے

جھکے اور اسے اپنی گود میں اٹھا لیا۔

"کیا بات ہے میری پیاری سہیلی اتنا روندو سا چہرہ بنائے مجھے سی آف کرے گی۔"

انہوں نے نرمی سے اسکی ننھی آنکھوں سے آنسو

صاف کیے۔

"بابا میں آپکو بہت بہت مس کرتی ہوں آپ نا جایا

کریں ناں اتنی دور۔ آپ کیوں اتنی دور جاتے ہیں؟

دانی کے بابا انکے پاس ہوتے ایان بھائی کے بابا انکے پاس ہوتے سب کے بابا انکے پاس رہتے

آپ کیوں نہیں میرے پاس رہتے۔ آپ کے بغیر مجھے بالکل مزہ نہیں آتا۔"

نینی نے ہچکیوں سے روتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

اسکی بات نے سب ہی کی آنکھوں کو نم کر دیا۔

"اولے بس کرو" نانی کشورا "کوئی یاد واد نہیں کرتی

تم انہیں بس یہ کچھ دیر تم نے آنسو بہانے پھر

تمہیں بابا کا یاد بھی نہیں ہونا۔"

ذوالنون نے ماحول میں چھائی افسردگی کو زائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

ورنہ نیننی کی جذباتیت سے وہ اچھے سے واقف تھا۔

زاہد ملک کے چلے جانے پر وہ چپ چپ رہتی تھی دو تین ماہ لگتے سے اسے کچھ نارمل ہونے میں۔

نیننی نے سرخ آنکھوں سے غصے سے ذونی کی طرف دیکھا۔ نیننی کی سرخ آنکھیں دیکھتے ذونی کے دل

کو کچھ ہوا تھا۔

اس نے نیننی کو اٹھانے کیلئے

زاہد ملک کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے۔

زاہد ملک نے خاموشی سے اسے ذونی کو پکڑا دیا

کیونکہ وہ خود اپنا ضبط کھو رہے تھے۔

"بابا آپ کب واپس آئیں گے؟"

نیننی کو ذوالنون نے اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا اور ساتھ

اسکے بال سہلا رہا تھا۔

انکے پیچھے آتے زاہد ملک نے جلدی سے اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپاتے زبردستی مسکرا کر اسکے

نخنہ

ہاتھوں کو چوما تھا۔

"میں بہت جلد آؤں گا بس میری پیاری سہیلی مجھے سمجھتی ہے ناں اور اب بریو گرل بنتے بالکل نہیں روئے گی۔"

"بابا میں چھوٹی ہوں چھوٹے بچے بریو نہیں

ہوتے... بس میں آپکو جانے دے رہی ہوں اور وہاں جا کر

جب بھی میں آپکو کال کروں آپ مجھ سے بات

کریں گے اور مجھے اتنا زیادہ مس بھی کریں گے۔"

وائٹ فرائڈ کیساتھ سرخ شوز اور بالوں میں سرخ ہی بینڈ سے اونچی پونی بنائے اپنے سے پانچ سالہ بڑے بھائی کے بازوں میں لٹکی وہ معصوم رو کر اپنی جان ہلکان کر رہی تھی۔

زاہد ملک نے ذونی اور نینی دونوں کو گلے لگایا اور پھر بنا کسی کیطرف دیکھے اپنی منزل کی طرف نکل گئے۔

ذونی نینی کو اپنے ساتھ ہی لگائے اسکے سر پر پیار

کر رہا تھا اور ساتھ اسے ہنسانے کی کوشش

کر رہا تھا۔

مگر کون جانے کہ قسمت ان کیلئے ایسی آزمائش تیار کیے بیٹھی تھی جسکے تصور سے ہی روح لرز

جائے۔

جولائی کی تپتی جھلسا دیئے والی دھوپ نے ہر ذمی روح کو بے حال کر رکھا تھا۔ نا تو دن میں سکون تھا نہ رات

میں آرام۔

ریاض ملک کو فیصل آباد کام کے سلسلے میں جانا تھا اور ایک دوست سے بھی ملاقات کرنی تھی۔

انکی فیملی اور مناہل بیگم بھی اپنی فیملی کیساتھ فیصل آباد جانے کیلئے تیار ہو گئیں تھیں تاکہ ریاض ملک اپنا کام کر لے اور وہ کچھ دن "مہتاب ولا" رہ لیں۔

دوپہر کے تین بجے تک وہ سب مہتاب ولا موجود تھے۔

تابندہ اور دانی اپنی دونوں پارٹنر کو دیکھ کر خوش ہو گئیں جبکہ لڑکے اپنی الگ ٹولی بنائے بیٹھ گئے۔

جس میں ایان، ذوفی، شہیر اور چھوٹا حائم تھا۔

خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا جاتا ہے۔ اس دوران بچوں کی نوک جونک سے سب بڑے محفوظ ہو

رہے تھے۔

"مما جی مم"

چھ سالہ زینی چیختی ہوئی صالحہ بیگم کو ڈھونڈتی ان کے پاس آتی ہے جو کچن میں مناہل بیگم اور شائستہ بیگم (ایان کی امی) کیساتھ بیٹھی رات کے کھانے کیلئے اہتمام کر رہی تھیں۔

اور پاس ہی کرسی پر بیٹھی زیدہ بی بی انہیں

اپنے زمانے کے قصے سنارہی تھیں

جنہیں وہ تینوں خوشدلی سے سے سن رہی تھیں مگر

زینی کی آواز نے انکی باتوں میں خلل ڈالا۔

"کیا بات ہے زینی کیوں اتنا چیخ رہی ہو؟

شائستہ بیگم نے غصے سے کہا۔

"ممائی جان شہیر بھائی نے میری چاکلیٹس کھالی ہیں جو میں نے سبھی آپوں کیلئے بابا سے

منگوائی تھیں۔"

زینی نے روتے ہوئے انہیں بتایا تھا۔

"دھڑ ہے وہ بے غیرت.. میرے پاس بھیجوا سے۔"

زیدہ بی بی کہتی آہستہ سے اٹھ کر لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر میں شہیر اپنی فوج کیساتھ نیچے آتا ہے اور ساتھ ہی لڑکیوں کا ٹولہ بھی چہرے پر غصیلے تاثرات

سجائے صوفوں پر برا جمان ہو گیا۔

"کیوں بھئی نیدے لڑکے شرم نہیں آئی تمہیں بہنوں کی چاکلیٹس کھاتے؟" انہوں نے کڑے تیوروں کیساتھ پوچھا۔

"دادو میں نے اکیلے تھوڑی ناں ساری کھائی ہیں یہ تو حاتم اور بھائیوں نے بھی ساتھ کھائی ہیں اور آپ میرے ساتھ اتنے مشکل ورڈز میں بات نا کیا کریں۔"

انکا شہیر کو نیدے کہنا اس کے بالکل بھی پلے نہیں پڑا۔

"نانو اسکے ساتھ کچھ ایسے لوگ لے ہوئے ہیں جن کی کالی نظر دوسروں کی چیزوں پر ہوتی ہے۔" نینی نے ذونی اور ایان کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اولے کشورا تم کہہ رہی کہ ہماری نظر کالی ہے؟" ذونی نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم لوگوں کی نظر کالی ہی ہے جو تم لوگ کسی

دوسرے کی چیز پر ڈال دو تو وہ چیز ہی
گل سر جاتی ہے۔"

آصفہ نے بھی بات میں حصہ ڈالا کیونکہ لڑکیوں کے
حق پر ڈاکہ ڈالا گیا تھا تو وہ کیسے خاموش
رہتی۔

"آپی کیا فائدہ بولے کا ایسے لوگوں کے پیٹ کی جگہ
کنواں فلکس ہوتا جو کبھی نہیں بھرتا۔"
دانی بھی میدان میں اتری تھی۔

"یہ بل بتوڑی تو جان کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہے۔"
ذوئی نے دانی کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔
"ذوئی بھائی آپ میری آپی کو کیوں مار رہے ہیں۔"
زینی نے غصے سے اس کے ایک مکارسید کیا۔

"اولے بس کرو تم سب ورنہ اگر دو دو جھانپڑ رسید
کیے ناں تم لوگوں کے تو ہوش ٹھکانے لگ جائیں گے۔"
زیدہ بی بی کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

"نکلو سب یہاں سے اور اپنے کمروں میں جا کر بیٹھو

کھانے کے وقت آنا بیچے۔"

سب خاموشی سے جانے لگے جب نیننی نے چلتے ہوئے ذونی کے چٹکی کاٹی اور شیر نے زینی کے بال کھینچے تھے۔

ذونی نے نیننی کو اٹھایا اور ہوا میں گھمانے لگا۔

اور زینی شیر کے پیچھے بھاگی۔

نیننی کی چیخیں پورے لاؤنج میں بلند ہوئیں اور ساتھ ہی زینی کی رونے کی آواز بلند ہوئی۔

دونوں کی حالت پر تینوں مائیں بھی باہر آئیں۔

نیننی اور زینی دونوں ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔

ذونی سے جب نیننی کا اس طرح سے رونا برداشت نہ ہوا تو جلدی سے اسکے پاس آیا اور منانے کی کوشش کرنے لگا۔

شیر بھی یہی کر رہا تھا اور پھر دونوں نے راضی ہونے کی یہ شرط رکھی کہ ان چاروں کو چاکلیٹس کیساتھ آسکریم بھی کھلائی جائے۔

دونوں بھائیوں نے دکھی ہوتے ہاں میں سر ہلایا مگر پھر سے انہیں تنگ کرنے لگے کہ اب شرط رکھ ہی لی تو اچھے سے

تنگ کر کے اور بدلے لے کے ہی جان چھوڑیں۔

بچوں کی ان شرارتوں اور مسکراہٹوں کو دیکھ کر انکی

ماؤں نے ان کی ابدی خوشی کی دعا مانگی اور مسکراتے
ہوئے پھر سے کچن میں چلی گئیں۔
مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ اس دنیاوی زندگی میں کچھ بھی
ابدی نہیں تو پھر خوشیاں کیسے ابدی ہو سکتی ہیں
اب خوشیاں تمہیں تو آنے والا کل دکھوں کا ہو سکتا ہے۔
مگر کون جانے یہ قدرت کے کھیل۔

"نینی میری جان جلدی آؤ بھئی اتنا ٹائم کیوں لگا رہی ہو؟
ہم لیٹ ہو جائیں گے۔"

دانی نے اونچی آواز سے اسے پکارا جو مناہل بیگم سے اپنا سکارف پن اپ کروا رہی تھی۔ دانی کی
دوست کے گھر بچوں کی محفل تھی جو گھر سے کچھ فاصلے پر رہتی تھی
ان دونوں کی آواز بہت خوبصورت تھی اس لیے اسکی
دوست نے ان دونوں کو خاص طور پر بلایا تھا۔

"دانی میں آگئی بس دو منٹ۔"

نینی جلدی سے سکارف پن اپ کر کے دانی کے
پاس پہنچی۔

جو وائٹ قمیض شلوار پر ہلکے سبز رنگ کے سکارف کا حجاب کیے اسکا انتظار کر رہی تھی اسے دیکھتے دانی سیدھی ہوئی جو اس کے جیسے کپڑے اور سکارف کا حجاب کیے دھیمی سی مسکان لیے اسکے پاس آئی۔

"لو جی جا رہی ہیں دونوں پیسے اکٹھے کرنے آج تو خوب تیاریاں کی ہوئی ہیں۔"

ایان انہیں چھیڑتے ہوئے دونوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔

"ایان چپ کر یا ایلے نابول ورنہ وہ ہمیں حصہ نہیں دیں گی۔" ذونی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

دونوں نے کوئی بھی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور باہر جانے کیلئے گیٹ کی طرف بڑھی۔ "اوائے بل بتوڑی کھانے پر ہاتھ ہولا رکھنا اور دونوں وہی رہ لینا واپس آنے کی ضرورت نہیں ہمیں نہیں چاہیے

تم دونوں جیسی "ٹڈیاں"

"دونوں گھروں میں رونق ہماری وجہ سے ہی ہے ذونی بھائی۔"

نینی نے آہستہ آواز میں کہا۔

"جس دن سچ میں واپس نہیں آئی ناں ہم پھر تم نے ہی

دھاڑے مار کر رونا ہے لمبے گوئی۔"

دانی غصے سے کہتی نینی کا ہاتھ پکڑے گیٹ کی سرحد

پار کر گئی۔

ذوئی بھاگ کر گیٹ پر آیا اور سامنے دیکھا جہاں دونوں تیز تیز قدم اٹھائے جا رہی تھیں۔ مگر نا

جانے کیوں

ذوئی کا دل ایکدم اداس ہو گیا تھا۔ وہ خاموشی سے

سر جھکائے ایان کے ساتھ لاؤنج کی طرف بڑھا۔

دونوں نے اپنی خوبصورت اور میٹھی آواز میں وہاں موجود

عورتوں کا دل لوٹ لیا تھا۔ انہیں کافی پیسے لے جس

میں سے کچھ وہ وہاں خطبہ کرنے والی آپی کو دے آئیں اور باقی اپنے پاس رکھ لے تاکہ وہ اپنے

بابا کو دے دیں اور

پھر وہ کسی غریب یا مسجد میں ہدیہ دے دیں گے۔

انکے بڑوں نے ہی یہ چیز انہیں بتائی کہ ہم ان پیسوں کے اتنے حقدار نہیں جتنے اور مستحق

لوگ ہیں۔

"نینی مجھے بہت پیاس لگی ہے اتنی گرمی بھی ہے۔

میں یہ دوکان سے جوس لیکر آتی ہوں تم ادھر ہی

کھڑی رہنا

میں ابھی گئی اور ابھی آئی۔"

"ٹھیک ہے میرے لیے بھی لے آنا میں ادھر ہی ہوں۔

پر جلدی آنا

ورنہ میں نے تمہیں یہی چھوڑ جانا ہے۔"

دانی اوکے کہتی تھوڑی دور ایک گلی مڑی جہاں دوکان تھی۔

نینی کے پاس ایک موٹر سائیکل کی اس نے چونک کر

اس شخص کو دیکھا۔ آنکھوں میں شناسائی کی

رمق ابھری تو وہ خوشی سے ان سے ملتی ہے۔

"افضل انکل آپ ادھر کیسے؟"

"کچھ نہیں بچے میں تمہارے ریاض بابا پاس

کام کے سلسلے میں

آیا تھا۔ چلو تم بھی آؤ بابا پاس چلتے ہیں دونوں۔"

اس نے اپنی غلیظ نظروں سے اس بچی کو دیکھتے
اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی جو اسکی
نظروں میں اپنے لیے شفقت کی جگہ ہوس نا پہچان سکی۔
وہ جھٹ سے ہاں میں سر ہلاتے اسکے پیچھے بیٹھ جاتی۔
اس بات سے بے خبر کہ اب وہ کبھی اپنے بابا تو کیا اپنی فیملی میں کسی کو نہیں مل
سکتی... آج وہ خوبصورت پریوں جیسی نینی کیا واقعی گھر واپس نہیں
جاسکے گی؟
کون جانے اب ملک فیملی پر کیا قیامت ٹوٹنے والی تھی۔

"کہاں ہے "زرنین"
آپ لوگ ڈھونڈ کے نہیں لائے اسے
مجھے پتہ تھا آپ لوگ اسے ڈھونڈ ہی نہیں
سکتے میں ہی اب اسے تلاش کروں
گا" ذونی نے ایک غصیلی نظر اپنے گھر کے افراد پر
ڈالی اور ایک دم غصے سے دانی کی طرف
برٹھا

جو اپنی ماں کے قریب کھڑی ڈری سہمی
ہچکیوں سے رو رہی
تھی۔

"تم۔ تم لے کر گئی تھی ناں اسے اپنے ساتھ بتاؤ؟ کہاں ہے وہ؟ بولو
تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہے اب وہ؟
اس نے تقریباً "جھنجھوڑتے ہوئے اس سے پوچھا
"مم میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے او اور پپ پلینز
مم میرا بازو چھوڑ دو"

دائیں روتے ہوئے اپنے نازک ہاتھوں سے اپنا بازو
چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی جو قریب کھڑی
صالحہ بیگم بھی چھڑوانے میں ناکام ہو رہی تھی۔
"کیوں نہیں جانتی تم سچ سچ بتاؤ نہ کہ زری کہاں ہے؟"
اب کی دفعہ اس کا لہجہ زرا نرمی لے ہوئے تھا۔

"مم میں سس سچ بول رہی ہوں مم میں نن نہیں جج جانتی۔"
اس نے رونے کے درمیان مشکل اپنی بات پوری کی۔
گھر کے افراد بھی دکھ سے اس کی

طرف دیکھ رہے تھے مگر کسی نے بھی
اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔
شاید سب اس کی تکلیف محسوس کر سکتے تھے۔
"بلکہ اس بند کرو۔ تم اسے لیکر ہی
کیوں گئی اپنے ساتھ"

ذوئی نے چیختے ہوئے جھٹکے سے
اس کا بازو چھوڑا۔

وہ گرتے گرتے بچی اگر بروقت صالحہ بیگم نہ اسے سنبھالتی۔
"آج بڑی محبت جاگ رہی ہے نینی کیلئے۔
پہلے تو

اس کی زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی"
اس نے نم لہجے میں
بھڑپور طنز کیا۔

"میں تو ہمیشہ سے اس سے بہت
محبت کرتا تھا

اور تم یہ کیوں کہہ رہی ہو کہ میں نے

اس کی زندگی عذاب بنائی ہوئی تھی۔" اس نے دکھ سے اس سے پوچھا۔
کیونکہ یہی سچ ہے۔ وہ پھر سے رونے میں مصروف
ہو گئی۔

اتنے میں گیٹ پر کھٹکا ہوا اور ان کا کوئی جاننے والا اندر آیا۔
آنے والے نے جو خبر سنائی تو وہاں موجود سبھی
افراد کا دل ساکت ہو گیا۔

"ریاض صاحب قبرستان کے باہر
ایک بچی کی لاش ملی ہے۔

اسکی حالت بہت اتر ہے آپ چل کر تصدیق کر لیں کہ وہ
آپکی بچی "نینی" تو نہیں۔"
یہ سنتے ہی ذوالنون پاگلوں کی طرح باہر بھاگا۔

آبادی سے کچھ دور ہی "بڑا قبرستان" کے نام سے بولا جانے
والا وہ قبرستان اپنی زمین میں بہت سے پیاروں کو
بسائے ہوئے تھا۔

قبرستان کے باہر پڑی نعش کے گرد بہت سے لوگ جمع تھے۔

جن کے چہرے اس بچی کو دیکھتے افسردگی دکھا
رہے تھے۔

ذوئی سب کو دھکے دیتا اس بچی کے قریب آیا۔
بچی کا سفید لباس جگہ جگہ سے کسی درندے کے نوچنے کی چیخ چیخ
کر گواہی دے رہا تھا۔ سبز دوپٹہ اسکے منہ کے گرد

باندھا گیا تھا تاکہ وہ معصوم اپنی آواز نہ نکال
پائے، اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا گیا تھا۔
بلاشبہ وہ انکے گھر کی رونق "زرین ملک" ہی تھی۔

ریاض ملک اپنے بندہ ہوتے دل کیساتھ اسکی
طرف بڑھے کیونکہ وہاں موجود لوگ کھڑے صرف تماشہ دیکھ رہے تھے۔
یا تصویریں اور ویڈیو بنانے میں مصروف تھے۔

کسی بھی بندے کو یہ احساس نہیں تھا کہ ایسولینس کو فون کر دیں مگر وہ کیوں کرتے کیونکہ
اسکی حالت

یہی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ مر چکی ہے
لیکن ہوتا ناں انکا

کوئی اپنا عزیز تو چاہے مر بھی گیا ہوتا مگر

انہیں یقین نہیں آتا کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلا گیا

اور پھر

جب ہسپتال پہنچ کر ڈاکٹر کہتے کہ اسے مرے آدھا

گھنٹہ ہو گیا پھر تکلیف برداشت سے باہر ہوتی تو پھر ایسا کیوں ہے کہ دوسروں کی تکلیف کسی کو نظر

نہیں آتی مگر پھر وہی بات جب ہماری ذات پر آتی

تب کہتے کتنے بے حس لوگ ہیں جنہں احساس ہی نہیں

مگر کبھی سوچا دوسروں کو باتیں سنانے والے بھی ہم ہی "لوگ" اور انکی باتیں برداشت کرنے والے

بھی ہم ہی "لوگ" ہیں۔ جو ہم عمل کرتے اس کا بھگتان بھگتنا ہی پڑتا ہے۔

ذوفی بے چینی سے آئی۔ سی۔ یو کے کمرے کے باہر ٹھہر

رہا تھا دل اندر لیٹے وجود کے لیے دعاگو

تھا آنکھیں رونے کے باعث سرخ ہو چکی تھیں۔

اتنے میں ڈاکٹر کمرے سے باہر آیا

ریاض صاحب بھاگ کر اس کی طرف لپکے۔

"ڈاکٹر صاحب کیسی ہے میری بچی"

"دیکھیے پیشنٹ کی طبیعت بہت نازک ہے گردن پے

گہرا کٹ لگنے کی وجہ سے اس کا خون بھی کافی ضائع ہو گیا ہے ہمیں فوراً بچی کا آپریڈ کرنا ہے

جس کے لیے آپ کو تین لاکھ جمع کروانا ہوگا اور

بلڈ بینک سے خون کا انتظام ہو جائے گا اس کی فکر مت کریں آپ جلدی سے پیسے جمع

کروائیں تاکہ ہم آپریشن شروع کریں۔"

"ڈاکٹر آپ پیسوں کی فکر نہ کریں آپ بس میری بچی کو بچالیں"

ریاض صاحب نے روتے ہوئے ڈاکٹر سے التجا کی۔

"دیکھیں ہم اپنی پوری کوشش کریں گے باقی سب اللہ بہتر کرے گا۔"

ڈاکٹر اپنے پیشہ ورانہ انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ ریاض صاحب غم زدہ چہرہ لیے موبائل

پر گھر کا

نمبر ملانے لگے تاکہ پیسوں کا انتظام کیا جاسکے۔

لیکن ایک وہ تھا جو ڈاکٹر کی باتوں کے بعد سے اب تک ساکت کھڑا تھا آنکھیں خشک اور نظریں

ایک ہی

نقطے پر مرکوز تھیں کتنے ہی لمحے بیت گئے۔

آپریشن شروع ہوئے بھی ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا مگر

اس کی حالات جوں کی توں تھی ریاض صاحب کا دل شدت غم سے پھٹ رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ اپنے تختِ جگر کی طرف بڑھتے اسرہچر کی آواز نے دونوں کو متوجہ کیا دونوں بے تابانہ اسرہچر کی طرف بڑھے۔

"بڑے بابا یہ.. یہ نانی کشورا کا چہرہ کیوں ڈھانپا ہوا.. کپڑا ہٹائیں اسکے چہرے سے۔"

وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہا تھا اور ریاض ملک کو اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔
تلخ حقیقت انکے سامنے تھی۔

"سوری سر ہم آپکی بچی کو نہیں بچا سکے، دونوں ٹانگیں اور دونوں بازوؤں کی ہڈیاں توڑی گئی تھیں،

اور بچی کی گردن دونوں کندھوں کے درمیان ایک طرف لڑھکی ہوئی تھی

گردن کی ہڈی کو توڑ کر شہ رگ بھی کاٹ دی گئی تھی۔

بچی خود پر ہوئے ظلم کو برداشت نہیں کر پائی اور اسی لیے سروائیو نہیں کر سکی..
اللہ آپکو صبر دے۔"

ڈاکٹر دکھ سے کہتا انہیں تسلی دیتے آگے بڑھ گیا۔

"یہ.. یہ ڈاکٹر کیا کہہ رہے بابا..."

اولے کشورا اٹھ کر بیٹھو کیا ڈرامے کر رہی اس نے غصے سے کپڑا ہٹانا چاہا مگر ریاض ملک نے ایسا کرنے

سے روک دیا اتنے میں گھر کے باقی افراد بھی آگئے

ایک قیامت تھی جو اس خاندان کے مکینوں پر برپا ہوئی تھی۔

ذوئی خاموش نگاہوں سے سب دیکھ رہا تھا اچانک ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور اس نے خود کو بے جان

محسوس کیا.. ذیشان ملک سرخ آنکھیں لیے اسکی طرف بڑھے جو زمین بوس ہو چکا تھا۔

"مما جی"

"مما جی"

ذوالنون ملک زور زور سے چیخ رہا تھا اور رو رہا تھا۔

"مما اسے کہیں ناں کہ مجھے چھوڑ کے نہ جائے"

میں نہیں رہ سکتا اس کے بغیر اب

اب پکا اسے

تنگ بھی نہیں کروں گا ہاں ہاں

اب پکا وعدہ تنگ

نہیں کرتا"

وہ ساتھ ہاتھوں سے نہیں نہیں کے

اشارے بھی کر رہا تھا۔

"میرے بچے حوصلہ کرو کیوں اس طرح

سے میرا دل دھلا رہے ہو۔"

مناہل بیگم مسلسل اسے سنبھالنے

کی کوشش کر رہی تھیں جو بالکل اپنے

حواسوں میں نہیں تھا۔

"تک.. کیسے کروں حوصلہ

نہیں ہو رہا آپ روکیں اسے"

وہ اور زور سے چیخا۔

"چندا"

انہوں نے مضبوطی سے اسے کندھوں سے تھاما۔

"نینی ہماری زندگی سے جانے کیلے ہی آئی تھی

اور

وہ چلی گئی اب ہماری زندگیوں میں وہ
کبھی واپس نہیں آئے گی کبھی بھی نہیں۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا

اور دھندلی بصارت سے اپنے آنگن کی رونق کو

خود سے دور آخری نظر دیکھا اور پھر وہ وہیں

انکے قدموں میں ہوش و خرد

سے بیگانہ ہو گیا۔

مہندی کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔۔۔ حمزہ کے کہنے پر سب ینگ پارٹی کو چھٹی کروا دی گئی۔

"نایا جان اور ابو جان یار مانا کہ پڑھائی ضروری ہے پر میں اپنی چھوٹی

بہنوں اور اپنے چھوٹے نکمے بھائیوں کیلئے آپ سے

ریکولسٹ کر رہا ہوں کہ آپ انہیں بھی چھٹی کروا لیں

تاکہ میری شادی کے کام کروانے میں انکا بھی کچھ
ہاتھ ہو۔"

حسن نے سنجیدگی سے کہتے بات مکمل کی۔

اسکے لاڈلے ردوان اور اسامہ دونوں نے بمشکل مسکراتے ہوئے اسکی طرف دیکھا۔

ابھی وہ اسے کچھ نہیں کہہ پائے دونوں ابوؤں کے

سامنے ان بیچاروں کی کہاں چلتی تھی صرف

حسن اور حمزہ کی بات کو اہمیت دی جاتی تھی کیونکہ حمزہ باقیوں کی طرح فضول گوئی یا تنگ
کرنے سے

پرہیز کرتی اور اسکا رویہ ان سب سے مختلف تھا۔

وہ انکے خاندان کی ڈیسنٹ بچی گردانی جاتی تھی لیکن حسن اور ردوان اسے تنگ کرتے ہی

رہتے اور تب

وہ بالکل ڈیسنٹ نہیں لگتی تھی۔

جبکہ اباسہ اور نشال دونوں ہی بہت لڑاکا تھیں دونوں

کی بنتی بھی بہت تھی۔

پچھلے دنوں انکی ڈانس کی زیادہ پریکٹس

نہیں ہوئی

تو ان دونوں نے آج خوب پریکٹس کرنے کا فیصلہ کیا۔
حسن تو آرمی میں تھا اسکی ٹریننگ ہی ایسی
ہوئی تھی کہ وہ ہر کام پرفیکٹ اور ٹائم پر انجام
دیتا تھا۔

آج چوہدری خاندان میں جشن کی رونقیں عروج پر تھیں کیونکہ آخر وہ دن آ ہی گیا جس کا سب
کو انتظار
تھا۔

مہندی کے فنکشن کا انتظام گھر کے پیچھے بنے گراؤنڈ میں کیا گیا تھا۔ یہ اسحاق چوہدری اور علی
چوہدری
کی ذاتی جگہ تھی جسے ینگ پارٹی اپنے کھیلنے کی سرگرمیوں
کیلئے استعمال کرتی تھی۔

گراؤنڈ کی ڈیکوریشن ابھی ہو رہی تھی۔ سب قریبی
رشتہ دار کل رات ہی پہنچ گئے تھے۔

گرین کلر کے شرارہ پر، گرین ہی کرتی پہنے اور سر پر ہم رنگ دوپٹہ اچھے سے سیٹ کیے، بالوں
کی مانگ نکال

کر دونوں اطراف پر پھیلائے، سر پر ماتھا پٹی، کانوں میں جھمکے، گلے میں خوبصورت نازک سا نیکلس

پہنے اور خوبصورت میک اپ کے ساتھ وہ آئینے کے سامنے کھڑی گنگنا رہی تھی۔

"ہائے وے میں کئی سوہنی آں

ہائے وے میرے جھمکے واہ بھئی واہ"

اس نے گانے کے الفاظ اپنی مرضی سے ادا کیے۔

پورے ڈریس پر گولڈن اور گرین

کالر کے موتیوں کا کام کیا گیا تھا۔

فروری کا مہینہ آدھا گزر گیا تھا اور رات کے وقت تو ٹھنڈ

بھی ہوتی تھی اس لیے اسنے اپنے کندھوں پر شال

اوڑھ لی۔

ابھی وہ اپنے کمرے میں رکھے صوفے پر بیٹھی ہی تھی کہ

کھڑکی پر کھٹکا ہونے پر وہ جھٹ سے کھڑی ہوئی

اور شال سے اپنا سر بھی ڈھانپ لیا۔

اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر دیکھتی حسن کو کھڑکی سے کودتے دیکھ کر وہ گھبرا گئی مگر اس

نے

اپنی گھبراہٹ کو چھپا کر فوراً سے دوپٹے کا گھونگھٹ نکال لیا۔

"السلام علیکم میری چشمش؟

ارے یہ گھونگھٹ کیوں نکالا ہے؟ .. ہٹاؤ یا اسے۔"

حسن نے دوپٹہ ہٹانے کی کوشش کی مگر حمزہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

"وعلیکم السلام... گھونگھٹ کو چھوڑو یہ بتاؤ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

اس نے لہجے کو غصیلہ کرتے ہوئے کہا ورنہ وہ اسکی اپنے کمرے میں موجودگی سے ڈر رہی تھی۔

"میں تو بس تمہیں دیکھنے آیا تھا کہ تم کیسی

لگ رہی ہو؟ لیکن تم نے تو چہرہ ہی چھپا لیا ہے۔"

"واہ کیا کہنے آپکے مسٹر حسن... ڈراموں اور فلموں

کے ہیروز کا بھوت چڑھ گیا ہے تم پر.. جو تم بھی

مہندی کے دن ہی اپنی ہونے والی دلہن کے دیدار کیلئے چلے آئے اور اپنا دو نمبری رومان جھاڑنے کی کوشش

کمر رہے ہو۔

ورنہ میں نہیں جانتی تمہیں کبھی سیدھا نام تو لیا نہیں میرا ہمیشہ "چشمش" ہی کہتے ہو۔"

حمنہ نے اب اپنے اصلی روپ میں جواب دیا۔

"دیکھو میں ان جیسا ہیرو نہیں ہوں.. میں ایک یونیک

ہیرو ہوں۔ تم نے کبھی دیکھا ایسا ہیرو جسے

مہندی کا فنکشن شروع ہونے سے پہلے ہی اپنی دلہن کا خوبصورت مکھڑا دیکھنے کا موقع مل

جائے... اور رہی بات چشمش کی تو..."

"حسن فوراً نکلو میرے کمرے سے کیوں مجھے اور

خود کو ذلیل کروانا چاہتے ہو؟"

حمنہ نے اسکی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اب دیکھ لو کبھی تم نے کسی فلم یا ڈرامے میں

دیکھا ہوگا کہ ہیرو خود کے ساتھ ہیروئن کو

بھی ذلیل کروائے اور وہ ہو بھی ہیروئن کا شوہرِ نادر۔"

حسن نے ذرا سا آگے جھکتے ایک ادا سے کہا۔

وہ گولڈن کلر کا کرتا شلوار پہنے اور گلے میں گرین کلر

کی مالا ڈالے بڑھی ہوئی شیو کیساتھ اسکے

سامنے جھکا کہہ رہا تھا۔

حمزہ نے جلدی سے اس کے چہرے سے نگاہ ہٹائی اور

اپنے اور حسن کے درمیان مزید فاصلہ قائم کیا۔

اسکی اس حرکت پر حسن ہلکے سے مسکرایا اور اپنے کرتے کی جیب سے گجرے نکالے جو حمزہ

کو بے حد پسند

تھے اور اسی نے حسن کو کہا تھا کہ کبھی

اس نے بھولے سے بھی کوئی گفٹ نہیں کیا مگر وہ

اسطرح اور اس موقع پر دے گا اسکا اسے اندازہ نہیں تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ کیپٹن حسن چوہدری اتنا چھچھورا ہو سکتا ہے۔؟"

ہائے یہ کیپٹن حسن کی معصومیت جس پر

حمزہ چوہدری کو کوئی

شک نہیں تھا۔

حمزہ نے دھیمی مسکان کیساتھ گجروں والا پیکٹ پکڑ لیا۔

"سنو"

حسن جو واپس جانے کیلئے کھڑکی کی طرف بڑھا ہی تھا

اسکی آواز سن کر وہیں رک گیا۔

"بولو"

"گجروں کیلئے شکریہ کیپٹن حسن

اور مہندی کی بہت مبارک ہو۔"

حمہ نے لہجے میں نرمی سموتے ہوئے کہا۔

اسکی بات پر حسن کے چہرے پر ہلکا سا تبسم بکھر گیا۔

"میشن ناٹ چشمش اور کل بارات کی مبارک باد میں

دوں گا۔"

کہتے ساتھ ہی وہ کھڑکی سے باہر کودا کہ کہیں

اسکی دلہن اپنے ہونے والے دولہے کی "چشمش" کہنے پر

دھلائی نہ کر دے۔

حمہ کے کمرے کی کھڑکی باہر لان میں کھلتی تھی۔

وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف آئی مگر حسن بھاگتا ہوا

انکے گھر کا بیرونی گیٹ پار کر گیا۔

حمہ نے آہستہ سے چہرے کا گھونگھٹ

ہٹایا تو شادی کیلئے لگائی گئی جگمگاتی لائٹوں میں اسکا چمکتا دمکتا چہرہ مزید روشنیاں بکھیرنے لگا

کچھ اسکا اپنا دل بھی خوشی اور الفت کے جذبات سے
لبریز تھا اور ہوتا بھی کیوں ناں؟
کہ ابو جان نے اسکے لیے ایک بہترین
شریکِ حیات کا انتخاب کیا تھا۔
مطمئن دل کیساتھ وہ دوبارہ صوفے پر آکر بیٹھی اور
تھوڑی دیر آرام کی غرض سے آنکھیں موند
گئی کیونکہ پھر رسموں میں تھکاوٹ بہت ہونی تھی۔

اباسہ اور نشال ایک جیسے کپڑے زیب تن کیے ڈانس کی پریکٹس کرنے میں مصروف تھیں۔
اورنج رنگ کا لہنگا اس پر ہلکے سبز رنگ کی کرتی پہنے
اور گہرے گلابی رنگ کا دوپٹہ ایک کندھے پر ڈالے
ہلکے میک اپ میں وہ
دونوں بہت سچ رہی تھیں۔

"آپی میری تو بس ہو گئی ہے ڈانس کرتے... اب تھوڑی دیر
ریسٹ کر لیتے ہیں ورنہ سٹیج پر ڈانس کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔"
ردوان سے چھوٹی نشال تھکے ہوئے انداز میں کہتی

دھپ کی آواز کیساتھ بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔

"میری جان ابھی تو دس منٹ گزرے ہیں ہمیں

دوبارہ پریکٹس کرتے ہوئے ورنہ پچھلے

دو گھنٹوں سے

تم نے ڈانس کیا ہی کب ہے؟

دس بار تو تمہیں بھوک لگی ہے چھتیس بار تم نے پانی

پیا ہے... ٹھمکا تمہارا ٹھیک سے ٹھمک نہیں رہا اور

تم ہو کہ کھانے پینے اور سونے پر کمر

ٹکا کر بیٹھی ہو۔

جو کرنے والا کام ہے وہ کرو کیوں اباسہ چوہدری کی

محلے کی لڑکیوں کے سامنے ناک کٹوانا

چاہتی ہو؟

اور اسکی عزت کا "پتیا" بنانا چاہتی

ہو۔

اے اٹھ جا بہن کیوں تجھے میری باتوں کا اثر

نہیں ہوتا؟"

"آپی جتنا مرضی ڈانٹ لیں اٹھوں کی تو میں اپنی

مرضی سے ہی

اور رہی بات آپکی عزت کی تو وہ پہلے بھی

اتنی ہی ہے کہ اسکا پتیا بن بھی گیا تو ایک بچے کی

داڑھ ہی گیلی ہونی ہے۔"

نشال نے منہ پہ تکیہ رکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

اباسہ نے زور سے اپنا پاؤں اسکی ٹانگ پر مارا۔

"شکل سے تو نہیں پر باتوں سے تم حیدر اور ردوان کی

بہن ہی لگتی ہو میں جا رہی ہوں یہاں سے

اور اب تمہیں نہیں کہوں گی کہ پریکٹس

کر لو

نئی تے ناں سی۔۔"

اباسہ ایک مکا بھی اسکی کمر پر جھڑتی کمرے سے

باہر

نکل گئی اور نشال ارے ارے کرتی اسکے پیچھے گئی

کیونکہ اب وہ ناراض ہو گئی تھی

مگر نشان کیلئے اباسہ کو منانا مشکل کام نہیں تھا۔
ان تینوں کا ایک دوسرے سے پیار ہی اتنا تھا کہ لڑائی کر کے
کب صلح ہو جاتی پتا بھی نہیں چلتا تھا۔

